



-U 57387

9-12

Title - ~~DEKMAN~~ GHALIB.

Creator - Mirza Asadullah Khan Ghalib;  
Muscatillo Asla Mehd. Talis.

Publisher - Asad Book Dibo (Delhi).

Date — 1936.

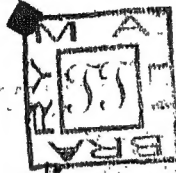
Pages - 147.

Subjects - Ghazals - Ghalib's  
Dara-i-Deen - Ghalib's.



مکتبہ اسلامیہ - ریسرچ سیکولر میگزین پوٹھوہار

# دیوان غالب



نجم الدولہ دبیر الملک نواب مرزا اسد اللہ خان آب ہوی

کے

اُردو جواہر پاروں کا انتخاب

خود مرزا صاحب کے مصدقہ اور قلمی نسخہ کے مطاب

مطبوعہ

آغا محمد طاہر ہیر حضرت آزاد مالک آزاد بک پوکوچہ چیلان دہلی

۱۹۳۶ء بذریعہ بلاک شائع ہوا : قیمت ۸۰۰

Handwritten text in Urdu script, likely a title or address.

SECTION

SIMAZ



FEB 1970

Handwritten text in Urdu script, possibly a date or reference number.

CHECKED-2002

Presented to  
Maulana  
Library  
24/7/67  
P. N. Murti an. a.  
old B-7  
Chs. of M. U. A.

CHECKED-2002



پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے  
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟



زیارت کدہ ہوں دل آزر دگاس کا !

ملحقہ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی

سید الانصاف مولانا محمد رفیع الدین

三

*[Faint handwritten notes or bleed-through from the reverse side of the page.]*

کتابخانه ملی افغانستان



## مرزا نوشہ

بلوچی ترک۔ دادا غنیمت شاہ عالم میں دربار انہرے ہی میں آئے نشان اور تھارے سے  
اعزاز پایا۔ باپ علی بندہ بیک ول نواب صفی اللہ و شاہ اودہ کے اہل لازم ہے پھر نظام دکن کی تلامذہ  
اعتبار کی وہ نوکری کیلئے جنگی میں گئی پھر لادیں اچھوتا و سنگھ کے کام ہے اور وہیں کی لڑائی میں  
ماتے گئے حقیقی چچا نصر اللہ بیک مرہٹوں کی طرف سے لکیر آباد میں رہا تھے۔ انہوں نے ہی مرزا کو پالا۔  
سنہ ۱۸۵۷ء میں جرنیل لیک کاٹل ہوا جو بھاری کشتی ہو گئی۔ انگریزوں نے بھی ہزار روپیہ تھوڑا چھوڑا  
لکھنؤ کی جاگیر دی۔ وہ بگڑا گئی مر گئے۔ مرزا اس وقت آٹھ برس کے تھے سب کچھ موتوں ہو گیا۔  
نقد پیشین مقرر ہو گئی۔ اعزاز میں خلعت ہفت پاؤں۔ جفتہ سر پیچ۔ مالے مر وارید ملارہا۔ بعد ازاں  
صاحبزادہ شاہ بند ہو گیا تین برس بعد بگڑا گئی اور ہوئی تو سب کچھ ملنے لگا۔

مرزا جوانی میں منہ و سپید سر و قد سینہ کشادہ چہرہ کوکانہ۔ بلند پیشانی چمکیلی اور منور آنکھیں اپنی  
ناک بھرت ہوئے سرخ رخسارے بیسے امار۔ دانت موتیوں کی لڑیاں۔ وارثی نمند ہی ہوئی سر پہ لیے  
پال کہتے تھے۔ دیدار و لوگ دیکھتے تو سائش کرتے بڑھاپے میں اڑھی رکھ لی۔ بال منڈوا دیے۔  
آخر میں نور کا ڈھیرہ گئے تھے۔

بچپن اور لڑکپن اکبر آباد میں گزرا جوانی میں سب سے ناکمت دہلی چلے آئے پھر ساری عمر یہیں رہے۔  
محبہ نیاز نے دو بے سلیم عطا کیا تھا۔ فارسی کے ساتھ مناسبت ازلی دوسری تھی۔ ذوق خدا داد اور

استاد نے کلام کو صد بار کر لیا پچاس سال تک چون گزار سی تھیں منطقی مسائل کو بھی سینے و مار سے دیکھا ہے  
فارسی میں آسان کلمات سے تو ذکر لاتے ہیں۔ انہی سے اردو نظم میں بھی نظم لگتے ہیں۔ نیز میں بھی دریا بہاتے ہیں۔

ابتدا میں اردو نظم پر فارسی غالب تھی۔ استاد دوزخِ جنت مکان شے جو بہادشاہ کا اردو کلام کہہ بنائے لگاؤ  
چاہیے کہ اسی سے خود بھی بن گئے۔ فارسی کی طرح اردو کلام کا جو بیرونی ضخیم تھا احباب کے شوق سے انتخاب ہو کر  
شائع ہوا۔ وہی اب تک تیز کرک ہے اور ہیشہ رہیگا۔

مذمت سے آرزو تھی کہ غالب اردو دیوان شائع کروں مگر ایسا کہ نہ ہوا اور قسبم کے عجب پاک بخوش  
شمسی دیکھ کے کہ اپنے ہی گھر میں ایک سندھیلی کو محلِ ایمنی سے پرانا ناچا حسین مرزا صاحب علی اللہ صاحب دانا  
ناظر صاحب علی ذی علم صاحب ذوق صاحب بن مرزا کے دوست بلکہ عاشق قرار تھے۔ وہ انتخاب میں بھی شامل تھے  
انہوں نے منتخب کلام کا ایک صحیح نسخہ اپنے قلم سے لکھا مگر کو دیا مرنے پر بھوک و تھلا اور مرنے مرنے کے بعد یادگار دواں  
کر دیا جواب بھی میری تنہا میں مرزا کے تحت بھرے تعلق کو زندہ کرتا ہے۔ میں نے دیوان ہی نسخہ نے بہت کیا پھر کچھ  
مرحہ دیوانوں میں بار بار چیتے چیتے بہت کچھ تبدیلیاں لگتی ہیں اکثر اشعار چھوٹ گئے ہیں مگر بہت مکمل اور سند نسخہ ہے۔

مجھے اس چتر قلم بھی ناز ہو کہ میری ناجیز محنت سے ایسی نایاب چیز زندہ ہوئی ہے جس کو کوئی  
اور ہلاکت زیادہ و نشان کر دیا ہے۔ اس شانِ بانِ شانِ مالائے مرورید کو دیکھ کر مرزا کی روح ضرور مسرور  
ہوگی اور مرزا کے پرستار اس کو توفیق بنا کر رکھیں گے۔

ناچیز

طاہرہ نبیرہ آزاد دہلوی

۱۳۵۵



نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا کاغذ کا دست جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ  
 کاغذ کا دست جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ صبح کراشم کا لانا ہے جوئے شیر کا  
 جذبہ بے اختیاء شوق دیکھا چلے سینہ پیشے باہر ہے دم شمشیر کا  
 آگئی دام شنیدن جس قدم چلے بھلے متاع تھا ہے اپنے عالم تیر کا  
 بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا

موسے آتش دید ہے طلقہ مری زنجیر کا

جراحت تھو الماسل زخاں داغ جگر دہیہ مبارکباد اسد غمخوار جان درد مند آیا  
 جز قیس اور کوئی نہ آیا برے کار صحران مگر تب کی چشم خسود تھا  
 آشفگی نے نقش سویدا کیا درت ظاہر ہو کہ داغ کا سرمایہ دُوتھا  
 تھانواب میں خیال کو تجھ سے مُعلّم جب آنکھ کھل گئی تو زیا تھا نہ سود تھا  
 لیتا ہوں کتب غم دل میں سبقِ نوحہ لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا  
 دھانیا کفن نے داغِ عیوب بھگی میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ جو تھا

تیسے بغیر مرنہ سکا کوہن اسد

سرگشتہ غمارِ رسومِ قیود و تقا

کہتے ہو نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا      دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مژدہ عاپایا  
عشق سے طبیعت نے زینت کما لیا پایا      درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا  
دوستدارِ دشمن ہے امتدادِ دل معلوم      آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا  
سادگی و پرکاری پیچودی و ہنکاری      حُسن کو تغافل میں جرأت آنا پایا  
من غنچہ پیر کا کھیلنے آج ہم نے اپنا دل      خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا  
حالِ دل نہیں معلوم کہین اس قدر سنی      ہم نے بار بار دھونڈھا تنے با پایا  
شورِ پندِ باصحا نے زخم پر نہک چھڑکا      آپ سے کوئی پوچھے تنے کیا مڑا پایا  
نہ دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا ہل گیا      آتشِ خاموشی کی مانند گویا ہل گیا  
رہ دل میں فرقِ وصال و یادِ ایک باقی نہیں      آگ بس گھیر میں لگی ایسی کہ جوتھا ہل گیا  
میں سے بھی پیسے ہوں ورنہ غافل بار بار      میری آہِ آتشیں سے بالِ عقابا ہل گیا  
عرض کیجے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں      کچھ خیال آیا تھا دشت کا کھجورا ہل گیا  
دل نہیں تجھ کو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار      اس چراغاں کا کروں کیا کافرا ہل گیا  
میں ہوں اور افسردگی کی آرزو کا لُٹل

دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

شوق ہر رنگ سے قیبِ سر و ساماں نکلا      قیس تصویر کے پڑے ہیں بھی غریباں نکلا  
زخم نے داؤدِ دی نگہی دل کی یارب      تیر بھی سینہ بیل سے پُرِ افشاں نکلا  
بوسے گلِ نالہ دل دو چرخِ محبت      جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا  
دلِ حسرت زدہ تھا ماتمہ لذتِ درد      کام یاروں کا بقدرِ لب و دندان نکلا  
تھی نو آموزِ فنا بہت دشوار پسند      سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب

آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

دھکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا      عشقِ نبردِ پیشہ طلب گارِ مرد تھا  
تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا      اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا  
تالیفِ منہ ہائے وفا کر رہا تھا میں      محمودِ خیال ابھی مند و فرد تھا  
دلِ تاجگر کا سائل دریا سے خوںِ جواب      اس رنگدیز میں جلوہ گل آگے گرد تھا  
جاتی ہے کوئی کٹکٹیشنِ اندوشت کی      دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا  
اجاب چارہ سازیِ وحشت نہ کر سکے      زنداں میں بھی خیالِ بیاباں نور تھا  
یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی جو

حقِ مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

شمارِ سجدہ مرغوبِ بشتِ گل پسند آیا تماشا ہے بیک کف بردنِ صدرِ پند آیا  
فیضِ بیدلیِ نو میدی جاوید آساں ہے کشائش کو ہمارا عتہ مشکل پسند آیا  
ہوا ہے سیرِ گل آئینہ بے مہری قاتل

کہ اندازِ بچوں غلطیدنِ بیل پسند آیا

دہر میں نقشِ وفا و تیرستی نہ ہوا ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ یعنی نہ ہوا  
بے سزہ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا یہ زمرہ بھی حریفِ دمِ امنی نہ ہوا  
میں نے چاہا تھا کہ لادہ فائے چھوٹوں وہ ستارے مئے پہ بھی راضی ہوا  
دلِ گزرگاہِ خیال سے دماغی ہی گرفتِ جاوہِ سیرِ نزلِ تنوئی ہوا  
ہوں تھے غمزدہ نہ کہنے میں بھی مہی کبھی گوشِ منت کشِ گلابِ تسلی نہ ہوا  
کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجے ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں سوہنجی ہوا

مر گیا صدہ یکِ خندشِ لبِ غالب

تا تو انی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

تائش گہے زابلتِ حیرسِ باغِ رضو اس کا وہ اک گلہ ہے ہم بخودوں کے طاقِ نیاں گل  
میں کیا کیجے بیدار کاوش ہائے شگاہ کا کہ ہر کیہ قطرہ خونِ انہ ہے بسجِ مرجبِ گل

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے مالوں کو  
 لیا دانتوں میں جو بھکا ہوا ریشہ نیستاں کو  
 دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے  
 مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سرِ چراغاں کو  
 کیا آئینہ خانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوہ نے  
 کرے جو پر تو خوشید عالم شبنمِ ثنائی  
 مری تمیز میں ضمیر ہے اک صورتِ خرابی کی  
 ہیولا برقِ خرم کا ہے خونِ گرم دھتکار  
 اگا ہے گھر میں ہر سوزہ ویرانیِ تماشا کر  
 مدار آبِ کھونے پر گھاس کے ہی میوے زبان کو  
 خموشی میں ساقیِ گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں  
 چراغِ مردہ ہوں میں زبان کو درغریبان کو  
 ہنوز اک پرتو نقشِ خیالِ یار باقی ہے  
 دلِ افسردہ گویا تجھ رہے پوسٹکے زنداں کو  
 بغل میں غیر کی آج آپ سنے ہیں کہیں نہ  
 سبب کیا خواب میں اک تبسمِ ہائے پہناں کو  
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہو گا  
 قیامت ہے سرشکِ لودہ ہوتا میری شرمگاہ کو

نظر میں ہے ہماری جادۂ راہ فنا غالب

کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجرِ لپے پیشان کا

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا  
 یاں در نہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا  
 ناکِ شکستہ صبح ہمارِ نظار ہے  
 یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا  
 تو اور سوئے غیرِ نظر ہائے تیر تیز  
 میں اور دکھتری شہِ ٹائے دراز کا  
 صرف ہے ضیظ آہ میں میرا و گرنے میں  
 طعمہ ہوں ایک ہی نفس جاں گداز کا

ہیں بیکہ خوش یادہ سے شیشے چھل رہے ہر گوشہ بساط ہے سر شیشہ باز کا  
کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز ناخن پہ قرض اس گروہ نسیم باز کا

تاراج کاوش غم ہجر اں ہوا اسد  
سینہ کہ تھا دھنیہ گہرائے راز کا

نہ ہو گا یک بیاباں ماندگی نے فدق کم میرا حجاب موج زقارے نقش قدم میرا  
محبت تھی چین سے لیکن اب یہ سیدانی ہو

کہ موج بوئے گل سے ناک میں تاج میرا

سرا پا ہن عشق و ناگزیر الفت ہستی عبادت برق کی تراہوں اور انیسویں صہل کا  
بعد ظرف ہے ساقی غارتشہ کامی بی

جو تو دریائے ہے تو میں یازہ ہوں اصل کا

بزم شاہ شاہ میں اشعار کا ذکر کھلا رکھیو یارب یہ درنجیبہ گوہر کھلا

شب ہوئی پھر انجم خشنود کا منظر کھلا اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا دکھلا

گرچہ ہوں دیوانہ پر کوئی نہ تھا کا اور تہ استیں میں نشہ نہاں ہاتھ میں نشتر کھلا

گو نہ بھول سکی یا میری نہ پاؤں کا بھید پر یہ کیا کم ہے کہ چہرے وہ پری کچھ کھلا

ہے خیال حسن میں حسن عمل کا خیال جلد کا اک دے ہے میری گوہر کے اندر کھلا



سندھ نہ کھٹنے پر ہے وہ عالم کہ دکھائی نہیں  
 زلف سے بڑھ کر نقابِ شمع کے منہ پر کھلا  
 در پہ رہنے کو کہا اور کیلے کیسا پھر گیا  
 جتنے عرصے میں مرا اپنا ہوا بستر کھلا  
 کیوں نہ میری ہے شبِ غم ہے بالآخر کھلا  
 آج اُدھر ہی کو رہے گا دیدہ اختر کھلا  
 کیا نہوں غریبیت میں خوش ہے جو دولت کا کیا  
 نامہ لا تا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

اسکی انت میں میں میں میری کچیاں کا منہ

واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابر آب تھا  
 شعلہ جوالہ ہر ایک حلقہ گرداب تھا  
 داں کرم کو عذیر بارشس تھا عیاں گیر خرام  
 گریہ سے یاں چہ بالمش کف سیلاب تھا  
 داں خود آرائی کو تھا موتی پرینے کا خیال  
 یاں ہجوم اشک میں تا رنگہ نہایاب تھا  
 جلوہ گل نے کیا تھا واں چراغاں آسجور  
 یاں رواں مژگان چشم تر غنہ ناب تھا  
 یاں ہر پشور بخوابی سے تھا دیوار جو  
 داں وہ فرق ناز مجو با شمس کم خواب تھا  
 یاں نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بخودی  
 جلوہ گل داں بساط صحبت احباب تھا  
 فرش سے ماعش اس طوفان تھا موج رنگ کا  
 یاں نہیں سے آسماں تک بوفتن کا باب تھا

ناگماں اس نگے خون نا پڑ پکانے لگا

دل کہ دوق کاوش ناخن لئے لفت یا تھا

نالہ دل میں شب انداز اثر لیا ب تھا <sup>۱</sup> تھا پسند بزم وصل غیر کو بیتاب تھا  
 مقہم سیلاب سے دل کی ناشاطا ہنگامے <sup>۲</sup> خانہ عاشق گمراہ صداے آب تھا  
 نازش ایام خاکستر شیشی کیا کہوں پہلوئے اندیشہ وقف بہتر نجاب تھا  
 کچھ نہ کی اپنے جنون نارسا نے ورنیاں ذرہ ذرہ روکش خوشید عالم تاب تھا  
 آج کیوں پروا نہیں اپنے ایڑنی تجھے کل تلک تیرا ہی دامن وفا کا باب تھا  
 یاد کردہ دن کہ ہر یک حلقہ تیرے دام کا انتظار صید میں اک پدے جواب تھا  
 میں نے روک رات غالب کو گونہ دیکھتے

اُس کے یل گریں میں گردوں کھٹ سیلاب تھا

ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب خون جب گرد و بعت مرگیا تھا  
 اب میں ہوں اور اتم یک شہر آرزو توڑا جو تو نے آئینہ مثال وار تھا  
 گلیوں میں میری لاش کو کھینچے پھر کہ میں جاں داں ہوائے سہرہ گوار تھا  
 موجِ سراب دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال ہر ذرہ مثل جو مرتجخ آباد تھا

کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر اب

دیکھا تو کم ہوئے یہ غم روزگار تھا

بلکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا آدمی کو بھی میسر نہیں لانا ہونا

گریہ چاہے ہے خرابی مے کاشانی کی<sup>۹</sup> درو دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا  
 واسے دیوانگی شوق کہ ہر دم محسوس کو آپ جانا اُدھر اوٹک ہی پریشاں ہونا  
 جلوہ از بیکہ تقاضائے نیکہ کرتا ہے جو ہر آئینہ بھی چاہے ہے شکرگاہ ہونا  
 عشرتِ قتل گہ اہلِ تناسل پوچھ عیدِ نفلان ہے شمشیر کا عریاں ہونا  
 لے گئے خاک میں ہم دایۂ تناسلِ نشاط تو جو ادراپ بصد رنگ گستاں ہونا  
 عشرتِ پارہ دل زخمِ تن اکھانا لذتِ ریش جو غرقِ نیکد ان ہونا  
 کی مے قتل کے بعد اُس نے بھائے تو ہائے اُس زودیشیاں کا پیشیاں ہونا

حیف اُس چاگر کہ پیرے کی قسمت غالب

جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

شبِ ہمارِ شوق ساقیِ رستخیز اندازہ تھا تاحیض بادہ صورتِ حسانہ خمیازہ تھا  
 یک قدمِ وحشت نے بڑی فترتِ امکاں کھلا جادہ اجیلے دو عالمِ وحشت کا شیرازہ تھا  
 مانعِ وحشتِ خرامی ہائے لیلیٰ کون ہے خانہِ مجنون صحرارِ گروبے دروازہ تھا  
 پوچھت رسوائیِ اندازِ استغنائے حسن دستِ مرمونِ خازنِ خسارِ دہنِ غمازہ تھا

نالہ دل نے دیے اور انِ سختِ دلِ بباد

یادگارِ نالہ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا

دوست غمخواری میں میری ہی فرمائیں گے کیا  
 بے نیازی حد سے گزری بندہ پر و کب تک  
 حضرت ناصح گراؤں دیدہ دل خرب راہ  
 کوئی ٹھکوریہ تو سمجھا دو کہ بھائیں گے کیا  
 آج داں تیغ دکن باندے ہوئے جاتا ہوں  
 عذیرے قتل کرنے میں اب لائیں گے کیا  
 گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھایوں سی  
 یہ جنوں عشق کے انداز چھٹائیں گے کیا  
 خانہ زاد زلف میں رنجیرے بھالیں گے کیوں  
 ہیں گرفتار نماز نلاں سے گھبرائیں گے کیا  
 ہے اب اس معمورہ میں قحط غم الفت اس

منہ یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائیں گے کیا

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا  
 اگر اور جیتے رہتے ہی انتظار ہوتا  
 ترے وعدہ پر بے ہم تو یہ جان جھوٹا  
 کہ خوشی سے مر نہ جائے اگر اعتبار ہوتا  
 تری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا ہڈیا  
 کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوا ہوتا  
 کوئی میسٹریل نے پوچھے تیرے نکم کو  
 غیش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا  
 یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں ناصح  
 کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا  
 رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لو کہ پھر نہ قسمت  
 جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا  
 غم اگرچہ جاں گسل ہے کہ مانا بیکر دل ہے  
 غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

کہوں کس سے کئی کیا ہے عسیم بُری بلا، " مجھے کیا بُرا تھا مرنے اگر ایک بار ہوتا  
 ہوئے مکے ہم جو ہوا تھے کیوں غرقِ دریا نہ کبھی جنازہ اٹھانے کہیں مزار ہوتا  
 اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا جو دلی کی بوجی ہوتی تو کہیں نہ چار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف یہ ترابیانِ غالب

بچے ہم دلی سمجھتے جو نہ بادِ خوار ہوتا

ہوس کو ہے نشا طکار کیا کیا	نہ ہو مرنے تو جینے کا مزا کیا
تجاہلِ پیشگی سے مدعا کیا	کہاں تک اسے سراپا ناز کیا
نوازشِ ہائے سیجا دیکھتا ہوں	شکایتِ ہائے رنگیں کا گلا کیا
نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں	تفاصلِ ہائے تمکیر آزا کیا
فروعِ شعلہ خنکِ نفس ہے	ہوس کو پاس ناموس وفا کیا
نفسِ موجِ محیطِ بخود ہی ہے	تفاصلِ ہائے ساقی کا گلا کیا
دماغِ عطر پیٹر رہن نہیں ہے	غمِ آوارگی ہائے صبا کیا
مُن اے غارت گرِ جنسِ وفائن	شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا
دل ہر قطرہ ہے سازِ انا الجہر	ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھا کیا
محابا کیا ہے میں خاصِ ادمر ویکہ	شہیدانِ جگمگہ کا خون ہس کیا

کیا کس نے جگر داری کا دعوے "۔ شکیب خاطر عاشق بھلا کیا  
یہ قاتل وعدہ صبر آزا کیوں؟ یہ کافر نہ طاقت رہا کیا  
بلائے جاں ہے غالب کی ہر بات

عبارت کیا، اشارت کیا ادا کیا

درخویر قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پسید نہ ہوا  
بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود میں ہیں کہ ہم اُلٹے پھر آئے در کعبہ اگر دانہ ہوا  
سب کو مقبول ہے دعوے تری بختائی کا روبرو کوئی بُت آسینہ سیسا نہ ہوا  
کم نہیں نازش ہمتائی چشمِ خوں تیار بیمار بڑا کیا ہے گرا چھپا نہ ہوا  
سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا  
نام کا میرے ہے وہ دکھ کہ کسی کو نہ سلا کام میں میرے ہے وہ فتنہ کہ بربان نہ ہوا  
ہر بُن موسیٰ دم ذکر نہ ٹپکے خونِ لب حضرہ کا قصہ ہوا عشق کا چپیر نہ ہوا  
قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ مے اور خرد میں گل کھیل اڑکوں کا ہوا دیدہ بیسنا نہ ہوا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑینگے پرنے

دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تپا شانہ ہوا

اسل ہم وہ جنوع بلاں گدائے بے ٹرپا ہیں کہ ہے سہنچہ شرکان آہو پشت خارا پانا

پیئے نذرِ کرم تھقے ہے شہرِ مہارسانی کا " بخوں غلطیہ صد رنگ عوئی پارسائی کا  
 نہ ہوئیں تماشا دوست رسوایے وفا کی کا بہ مہرِ صدفِ ثبات ہے دعویٰ پارسائی کا  
 ذکوہِ حسن نے اے بڑے بینش کہ مہرِ سا چرخِ خانہ درویش ہو کا سہ گدائی کا  
 نہ مارا جانے بے جرم غافل تیری گردن پر رہا مانند خونِ بے گنہ حق آشنائی کا  
 تنہائے زبان جو پاس بے زبانی ہے مناجس سے تقاضا شکوہ ہے دستِ پائی کا  
 وہی اک بات ہے جو یا نقشِ ہاں محبتِ گل ہے چمن کا جلوہ باعث ہے مری نگینِ فی الی کا  
 وہاں ہر بُت پیغا رہ جو رنجِ سیرِ سوانی عدم تک بوجا چاہے تیری بیوفائی کا  
 نہ ہے نامہ کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے

کہ حسرتِ بچ ہوں عرضِ تمہائے جدائی کا

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا بے تکلفِ دارِ مہِ مسرِ ہاں ہو جائے گا  
 زہرہ گرایا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آبِ پر تو بہت سب سبیلِ خانہاں ہو جائے گا  
 لے تولوں سوئیں اُس کے پاؤں کا بوسہ گر ایسی باتوں سے وہ کافرِ بگناں ہو جائے گا  
 دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحان ہو جائے گا  
 سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راہنی ہوا مجھ کو یا ک زمانہِ مہرباں ہو جائے گا  
 گر نگاہِ گرمِ فراتی رہی تعلیمِ صلبِ شعلہِ خس میں جیسے خوں گینیاں ہو جائے گا

باغ میں جھکونے جاوے میرے حال پر <sup>۱۴</sup> ہر گل تریک چشمِ خوشنشاں ہو جائے گا  
 دے کر میرا ترا انصافِ محشر میں نہ ہو اب تک تو یہ توقع ہے کہ ایں ہو جائے گا

قائدہ کیا سوچ آخر تو بھی ہے دانا اسد

دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

دردِ منت کش دوانہ ہوا میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا  
 جمع کرتے ہو کیوں رستیوں کو اک تماشا ہوا بکلا نہ ہوا  
 ہم کس قسمت آزمانے بائیں تو ہی جب خبر آزمانہ ہوا  
 کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ قیاب گایاں کھا کے بے مزانہ ہوا  
 ہے خبر گرم اُن کے آنے کی آج ہی گھر میں بوریانہ ہوا  
 کیا وہ خبر دود کی حسدائی تھی بسنگی میں مرا بھلا نہ ہوا  
 جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا  
 زحمتِ گردب گیا لہو نہ تھا کام گر رک گیا روانہ ہوا  
 رہزنی ہے کہ دستانی ہے لے کے دل دلتاں روانہ ہوا

کچھ تو پڑھے کہ لوگ کتے ہیں

آج غالب غزل سنانہ ہوا



گلاب ہے شوق کو دل میں بھی تگی حب کا<sup>۱۵</sup> گہڑیں محو ہوا اضطراب دریا کا  
 یہ جانتا ہوں کہ تو اور پانچ مکتوب مگر تم زدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا  
 خائے پائے خزاں ہے بہاراگر ہے یہی دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا  
 غم فراق میں تکلیف سیریاغ نہ دو مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بجا کا  
 ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہوں کرے ہے ہر تہن موکام چشم بیا کا  
 دل اُس کو پہلے ہی ناز وادائے دیکھنے میں دماغ کہاں شن کے تقاضا کا  
 نہ کہہ کہہ کر یہ مستہ ابر حسرت دل ہے مری نگاہ میں ہے جمع و خچ دریا کا  
 فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اُسکو یاد اسد

جہاں میں اُس کی ہے انداز کار فرما کا

قطرہ ہے بکیرت سے نفس پر در ہوا خط جاہمے سراسر رشتہ گوہر ہوا  
 اعتبار عشق کی حنا نہ خرابی دیکھنا غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا  
 جب تیرے بغیر یار نے محل باندھا تپش شوق نے ہرزہ پیکل باندھا  
 اہل بنش نے یہ حیرت کدہ شوقی ناز جو ہر آئینہ کو طوطی بسل باندھا  
 یاس و امید نے یک عربہ میدان مانگا عجز ہمت نے ظلم دل سائل باندھا  
 نہ بند سے تشنگی شوق کے صنوبر خائب

گرچہ دل کھول گئے دریا کو بھی صاف پا ہوا  
میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں      گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا  
ہے ایک تیر حمیں دونوں جھپٹے پڑے ہیں      وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا  
درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں  
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کٹا تھا

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو دیراں ہوتا      بھر گرجر نہوتا تو بیاہاں ہوتا  
تنہا دل کا گلا کیا یہ وہ کافر دل ہے      کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا  
بعد یک عمر ورع بار تو دیتا باسے      کاش رضواں ہی دریا رکاوٹیں ہوتا  
نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا      ڈبو یا بھگو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا  
ہو اجنبی ہم سے لیجئے تو غم کیا سکے کٹنے کا      نہ ہوتا اگر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا  
ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے  
وہ ہر اک بات پر کننا کیوں ماتا تو کیا ہوتا

یک ذرہ زمین نہیں بے کار باغ کا      یاں جادہ بھی فستیدہ ہے لالہ کے دلِ غم کا  
بے مے کے ہے طاقتِ آشوب آگہی      کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خطایا غم کا  
بلبل کے کار و بار پہ ہیں خندہ ہائے گل      کہتے ہیں جس کو عشقِ خلل ہے دماغ کا

تازہ نہیں ہے نشہ منکر سخن مجھے " تریا کی متدیم ہوں دُودِ پیراغ کا  
 سوار بندِ عشق سے آزاد ہسم ہوے پر کیا کریں کہ دل ہی عدد ہے فراغ کا  
 بے خون دل ہے چشم میں موجِ گنگہ غبار یہ میکہ خراب ہے مے کے سراغ کا  
 باغِ تنگنہ تیرا بساطِ نشاطِ دل !

ابر بہارِ خمد کہ کس کے دماغ کا

وہ مری چین چین سے غم پہاں سمجھا رازِ مکتوب بہ بے ربطی عنوان سمجھا  
 یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز چاک کرتا ہوں میں جب کہ گریاں سمجھا  
 شرح اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا  
 بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرمِ حرام رخ پر قطرہ عسرق دیدہ حیراں سمجھا  
 عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بد خو ہو گا نبضِ خس سے پیش شعلہ سوزاں سمجھا  
 سفرِ عشق میں کی نصف نے راحتِ سلی ہر قدم یہ کہیں اپنے ثبوتاں سمجھا  
 تھا کہ میزاںِ مژدہ یا رے دل تا دمِ مرگ دفنِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا

دل دیا جان کے کیوں اُس کو وفا دار لکھا

غلطی کی کہ جو کامنہ کو مسلمان سمجھا

پھر مجھے دیدہ تریا دآیا دلِ جگر تشنہ مسرِ یاد آیا

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوا<sup>۱۸</sup> پھر ترا وقت سمیٹا دیا  
 سادگی ہائے تنہا یحییٰ پھر وہ نیزنگ تظہیرا دیا  
 عندروا ماندگی اسے حسرت بل نالہ کرتا تھا جب گریا دیا  
 زندگی یوں بھی گزر رہی جاتی کیوں تیرا راہ گزریا دیا  
 آہ وہ جرات فریاد کہاں دل سے تنگ آ کے جب گریا دیا  
 پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال دل گم گشتہ مگر یا دیا  
 کوئی دیرانی سی دیرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھریا دیا  
 کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی گھمڑا حشد میں گریا دیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد

سنگ اٹھایا تھا کہ سریا دیا

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا آپ آتے تھے مگر کوئی غمناں گریہ بھی تھا  
 تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا لگہ اُس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھا  
 تو مجھے بھول گیا ہو تو پستہ بتلا دوں کبھی فترک میں تیرے کوئی غنچہ بھی تھا  
 قیدیں تھی تھے وحشی کو وہی زلف کی یاد ہاں کچھ اک سنج گرانباری زنجیر بھی تھا  
 پہلی اک گوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا بات کرتے کہیں اب تشنہ تقریر بھی تھا

یوسف اُس کو کبوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی "گر تجزئہ بیٹھے تہیں لائق تہ نہ رہی تھا  
 لکھکر غیر کو جو کیوں نہ لکھجائے ٹھنڈا نالہ کرتا تھا اولے طالب تاثیر بھی تھا  
 پیشہ میں عیب نہیں کیے نہ سراہا کو نام ہم ہی آشفۃ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا  
 ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی آخر اُس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا  
 پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پزاق آدمی کوئی ہمارا دم محسوس کر رہی بھی تھا  
 رنجی کے تہی استاد نہیں ہونا غالب  
 کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی تیر بھی تھا

لب شک و تشنگی مُردگان کا زیارت کہہ ہوں ل آزر دگان کا  
 ہمنام اسیدی ہسبہ گمانی  
 میں دل ہوں نریب و فاجر دگان کا

تو دوست کی کا بھی سنگرنہ ہوا تھا اور دل پہ ہے وہ مسلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا  
 چھوڑا میرے منہ کی طرح دست قضا نے خورشید ہنوز اُس کے برابر نہ ہوا تھا  
 تو نیک با ندادہ ہمت ہے ازل سے آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا  
 جب تک کہ نہ دیکھا تھا قریار کا علم میں متفقہ فتنہ محشر نہ ہوا تھا  
 میں تادہ دل آزر دگی یار سے خوش ہوں یعنی سبق شوق مکر نہ ہوا تھا

دیرائے معاصی تک آبی سے ہو ٹنک ۲۰ میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

جاری تھی اسدل داغ جلے مرے تمہیں

آتشکدہ جاگیا برسمد نہ ہوا تھا

شک و مجلس فروز خلوت ناموس تھا شہ ہر شمع خار کوست فائوس تھا

مشہد عاشق سے کوسوں تک آگتی ہے خنا کس قدر یارب ہلاک حسرت پڑوس تھا

حاصل الفت نہ دیکھا جگر شکست آرزو دل بہ دل پیوستہ گویا ایک الشبوس تھا

کیا کھوں بیماری غم کی فراغت کا بیاں

جو کہ کھایا خون دل بے منت کی موس تھا

آئینہ دیکھ اپن سامنے لے کے رہ گئے صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غور تھا

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ مارے

اُس کی خطا نہیں ہے یہ سیرا تصور تھا

عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا جس دل پہ نیاز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

جا تا ہوں داغ حسرت ہستی لئے ہوئے ہوں شمع کشتہ درخور محفل نہیں رہا

مرنے کی اسے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں ثایان دست و خنجر قاتل نہیں رہا

بر روی شمش جہت در آئینہ باز ہے یاں استیلا ز ناقص و کامل نہیں رہا

واکرے ہیں شوق نے بند نقابِ حُسن " غیر از نگاہ اب کوئی حُسن نہیں رہا  
 گوئیں راہِ مین ستم ہائے روزگار لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا  
 دل سے ہوائے کشتِ فدا گئی کدال حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا  
 بیدارِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

رنگ کہتا ہے کہ اُس کا غیر سے اخلاصِ حقیقت عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کر کا آشنا  
 ذرہ ذرہ سا غریب خانہ نیرنگ ہے گردشِ مجنوں عجب کیا ہے ملی آشنا  
 شوق ہے سماں طرازِ نازِ نازِ ربابِ غزل ذرہ صحرا دِ سنگاہ و قطرہ دریا آشنا  
 میں اور اکلفت کا ٹکڑا وہ دلِ قشعی کہے عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا  
 شکوہ سنج رنگ ہمہ گیر نہ رہنا چاہئے میرا زانو منوں اور آئینہ تیرا آشنا  
 کو کہن نقاش کی مثال شیریں تھا اسد  
 سنگ سے سرا کر ہوئے نہ پیدا آشنا

ذکر اس پری دوش کا اور پھر بیانِ اپنا بن گیا قیاسِ فر تھا جو رازِ دان اپنا  
 مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یارب آج ہی ہوا منظور اُن کو امتحان اپنا  
 منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے غرض سے اُدھر ہوتا کٹھن مکان اپنا

ہے وہ جھوٹا دل ہم نہیں میں ماسیٹھے " بے آشنا نکلا اُن کا پاس بان اپنا  
 درِ دل لکھوں کتنی جاؤں کو دکھلا دوں اُنکلیاں فگار اپنی خامہ جو چکان اپنا  
 گتے گتے سٹ جا آئے عبث بدلا ننگ سجدہ ہے میں ننگِ ستان اپنا  
 تاکر نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو دوست کی شکایتیں ہم نے ہم بان اپنا  
 ہم کہاں کے دانائے کس نہر میں کیتا تھے

بے سبب ہوا غالب دشمن سہاں اپنا

سمرتہ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے کہ ہے چشمِ خریار پہ احسان میرا  
 رخصتِ نالہ سجھے ہے کہ نہ بادِ اظالم  
 تیرے چہرے سے ہو ظاہر ہم نہاں میرا

غافل ہو ہم ناز خود آرا ہے ورنہ یاں بے شانہ صبا نہیں خطرہ گیا ہا  
 بزمِ قدح سے عیشِ تنانہ رکھ کر رنگ صیدِ دام جستہ ہے اس امگاہ کا  
 رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے شرمندگی سے خذر نہ کرنا گنہ کا  
 مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہے پُر گل خیالِ زخم سے دامن بگاڑ کا  
 جاں در ہوائے یک گجہ گرم ہے اسٹہ

پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا



جورے باز آئے پر باز آئیں کیا ” کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا  
 رات دن گردش میں نیلات آسمان ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرا ئیں کیا  
 لاگ ہو تو اُس کو ہم جھبیس لگاؤ جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا  
 ہو لئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا  
 موج خوں سر سے گز رہی کیوں جا آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا  
 عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے

کوئی بتلا دو کہ ہم بتلائیں کیا

لطافت بے ثنافت جلوہ پیدا کر میں کتنی چمن رنگار ہے آئینہ بادِ بہاری کا

حریفِ جوشِ دریا نینخِ دداریِ سال

جہاں ساتی ہو تو باطل ہے دعویٰ شہیاری کا

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا درد کا حد سے گزنا ہے دوا ہو جانا

تجھے قسمت میں مری صورتِ نقلِ مجید تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

دل ہوا کشمکشِ چارۂ رحمت میں تمام مٹ گیا گھنے نیل س عقد کا دوا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

ضعف سے گریہ میٹل بہ دم سر دھوا " باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا  
 دل سے ٹنٹری انگشت خالی کا خیال ہو گیا گوشت سے ناخن کا چڑا ہو جانا  
 ہے مجھے ابر بہاری کا برس کر کھلنا روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا  
 گر نہیں نکمٹ گل کو ترے کوچہ کی ہوس کیوں ہے گردِ رہِ جولانِ صبا ہو جانا  
 تاکہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے صیقل دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہو جانا  
 بخشے ہے جلوہ گلِ ذوقِ تاشا غالب چشم کو چاہے ہر رنگ میں اہو جانا  
 پھر ہوا وقت کہ ہوا لکشا موعِ شراب دے بطے کو دلِ دوست نامیجِ شراب  
 پوچھ مت وجہِ سیہ تہی اربابِ حین سایہ تاک میں لیتی ہے ہوا موعِ شراب  
 جو ہوا غرقِ مے بختِ رسا رکھتا ہے سر سے گزے یہ بھی ہے لکشا موعِ شراب  
 ہے یہ برسات وہ موسمِ کعبیہ ہے اگر موعِ حبی کو کسے فیض ہو ا موعِ شراب  
 چار موعِ اٹھتی ہے طوفانِ طربِ ہر سو موعِ گلِ موعِ شفقِ موعِ صبا موعِ شراب  
 جس قدر موعِ بناتی ہے ہجرتِ نہ ناز دے ہے تکینِ بد م آبِ بقا موعِ شراب  
 بسکہ دوڑی ہے رگِ تاکِ یخسں ہو ہو کہ شہپرنگ سے ہے بالِ کشا موعِ شراب  
 موعِ گل سے چراغاں ہے گزرا گاہِ خیال ہے تصویر میں بس جلوہ نامو موعِ شراب  
 نشہ کے پرن میں ہے موعِ تاشائے دماغ بسکہ رکھتی ہے ہر نشو و نما موعِ شراب

ایک عالم یہ ہیں طوفانی کیفیتِ فصل<sup>۱۰</sup> موجِ سبزِ نوخیز سے تا موجِ شراب  
 شرحِ ہنگامہ ہستی ہے ہے موسمِ گل رہبرِ قطرہ بدریا ہے خوشاموَجِ شراب  
 ہوش اڑتے ہیں مے جلوہ گل دیکھ اسے

پھر ہوا وقت کہ ہوا بال کشاموَجِ شراب  
 افسوس کہ دیدیاں کا کیا رزقِ فلک نے جن لوگوں کو تھی درِ غرِ عقدِ گہرا گشت  
 کافی ہے نشانی ترے پھلے کا نہ دینا خالی مجھے دکھلا کے بوتِ فخرِ گشت  
 لکھا ہوں اسدِ سوزِ دل سے سخنِ گرم  
 تا رکھ نہ سکے کوئی مے حرفِ پیغمبت

رہاگر کوئی تا قیامت سلامت پھر اک روز مرنا ہے حضرتِ مسلا  
 جگر کو مرے عشقِ خوشا پہ مشرب لکھے ہے حند او نہایتِ مسلا  
 علیٰ الزعم دشمنِ شہیدِ وفا ہوں مبارک مبارک سلامتِ مسلا  
 نہیں گرسردِ برگِ اورا کب معنی

تماشاے نیرنگِ صورتِ مسلا  
 منگتیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب یار لائے مری بالیں سپائے پرکسِ وقت  
 آند خط سے ہوا ہے سروِ جوازاں دوست دودِ شمع کشتہ تھا شاید خطِ رُخسارِ دوست

۲۸ لے دلِ نازِ عاقبت اندیش ضبطِ شوق کر کون لاسکتا ہے تپِ جلوہ دیدارِ دوست

خانہ ویراں سازیِ حیرتِ تماشائی کجھے صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتہ رفتارِ دوست

عشق میں بیدارِ شکِ غیر نے مارا مجھے کشتہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست

چشمِ روشن کہ اُس بیدار کا دل شاد ہے دیدہ پُر غل ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست

غیر یوں کرتا ہے میری پریشاں اُسے ہجر میں بے تکلفِ دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست

تاکہ میں جانوں کہ ہے اُگلِ رانیِ دامنِ تلمک مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدہ دیدارِ دوست

جبکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہ ضعیفِ دماغ سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ غیرِ دوست

چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخیِ گفتارِ دوست

مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے یایاں کیجے پاسِ لذتِ آزارِ دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ

ہے رویتِ شعرِ غالب بس تجارِ دوست

گلشنِ میندوبستِ برنگِ گرہ ہے آج قمری کا طوقِ حلقہِ میر و نادر ہے آج

آتا ہے ایک پارہِ دلِ ہفتاں کے ساتھ تارِ نفسِ کندِ شکارِ اثر ہے آج

اے نازِ عاقبتِ کنارہ کر اے انتظامِ چل

سیلابِ گریہِ دیوارِ دور ہے آج

لوح مرصع عشق کے تیار دار ہیں! " اچھا اگر نہ ہو تو مسحا کا کیا علاج  
 نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ  
 کمال گرمی سخی تباہش دید نہ پوچھ برنگ خار مرے آئینہ سے جوہر کھینچ  
 تجھے بسانہ راحت ہے انتظار لے ل کیا ہے کس نے اشارہ کہ تار بستر کھینچ  
 تری طرف ہے جسرت نظارہ زگر بکوری دل و چشم قیب ساغر کھینچ  
 بہ نیم غمرہ ادا کرتی دو بیت ناز پیام پردہ زخم جگر سے خنجر کھینچ

مے و سرخ میں ہے بجلی آتش پہناں

بروئے سفرہ کباب دل سنبھال کھینچ

حسن غمرہ کی کشاکش سے چٹپٹا یہ ہے بے بائے آرام سے ہیں اہل جفا میسر ہے  
 منصف شیفٹنگی کے کوئی تابل نہ رہا ہوئی محزون دل انداز واداسیگر ہے  
 شمع بجھتی ہے تو اس میں کونواں تھکا ہے شعلہ عشق یہ پوشش ہوا میسر ہے  
 خوں ہے دل خاک میں احوال ہاں پرینی اُن کے ناخن پوکھ محتاج خناسیگر ہے  
 درخویر عرض نہیں جو ہر بہاد کو حبا جگمگنا زہر ہے سرمہ سے خامیگر ہے  
 کون ہوتا بے حریف ہے مرد افکن عشق بے مکر زرب ساقی میں جلا میسر ہے  
 غم سے مڑا ہوں کہ اتنا نہیں نیاس کوئی کر کے تعزیت مہر و فاسیگر ہے

اے ہے یکس شق پہ رونا غالب

گس کے گھر جانیکا سیلاب بلا سہت بعد

بلا سہت ہیں جو یہ پیش نظر درو دیوار      بنگاہ شوق کو تیں بال و پر درو دیوار  
 و فوہاشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ      کہ ہو گئے مرے دیوار و درو دیوار  
 نہیں ہے سایہ کہ سنکڑوید مقدم پار      گئے ہیں چند قدم پیشتر درو دیوار  
 ہوئی ہے کس قدر رازانی ہے حب وہ      کہ مست ہے ترے کو چہ شق درو دیوار  
 جو ہے تجھے سر سوداے انتظار تو آ      کہ ہیں دکان متاع نظر درو دیوار  
 بچو گریہ کا سامان کب کیا میں نے      کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر درو دیوار  
 وہ آہ ہمارے ہمسایہ میں تو سایہ سے      ہوئے قدا درو دیوار پر درو دیوار  
 نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی      ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر درو دیوار  
 نہ پوچھ بچو دی عیش مشموم سیلاب      کہ ناچتے ہیں پڑے سر پر درو دیوار

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہیں مانے میں

حریف راز محبت مگر درو دیوار

گھر جب بنالیا ترے در پر کے بغیر      جانیکا اب بھی تو نہ مرا گھر کہنے بغیر  
 کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت سخن      جانوں کسی کے دل کی کیچ بکھر کہنے بغیر

کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جان میں      کیوں نہ کوئی نام بستل کر کے بغیر  
 جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہلے وگرنہ ہم      سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کے بغیر  
 چھوڑوں گا میں نہ اُس بُت کافر کا پوجنا      چھوڑے نہ خلق کو مجھے کافر کے بغیر  
 مقصد ہے ناز و غمزہ و لے گفتگو میں کام      چلتا نہیں ہے دشمن و خیر کے بغیر  
 ہر چہند ہو شاہد حق کی گفتگو      بنتی نہیں ہے بان و ساغر کے بغیر  
 بہرہ ہوں میں تو چاہے دونا ہوا التفات      سُنا نہیں ہوں بات سُکر کے بغیر

غالب نہ کہ حضور میں تو بار بار عرض

ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کے بغیر

کیوں جل گیا نہ تاب نہ بنا یا رکھی کر      جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر  
 آتش پرست کتے ہیں اہل جہاں مجھے      سرگرم نالہ ہائے شر بار دیکھ کر  
 کیا آبرو سے عشق جہاں عام ہو جھٹا      رکتا ہوں تم کو بے بہا بنا دیکھ کر  
 آنا ہے میرے قتل کو پُرجوش رشک سے      مرتا ہوں اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر  
 ثابت ہوا ہے گردن مینا پہ خونِ خلق      لڑے ہے حق سے تری زُفا رکھ کر  
 و احسرا تاکہ یار نے کینچیا ستم سے ہاتھ      ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر  
 یک جاتے ہیں ہم آپتاً عین کے ساتھ      لیکن عیاں طبعِ خیر دار دیکھ کر

زُتار باندہ سجہ صد دانہ توڑ ڈال " رہرو چلے ہے راہ کو ہوار دیکھ کر  
 ان آہوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر  
 کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مے طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر  
 گرنی تھی ہم پر برق تجبئی نہ طور پر دیتے ہیں بادہ ظرب قحح خوار دیکھ کر

سر پھوڑا داہہ غالب شوریدہ حال کا

یاد اگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

رزنا ہے مرادل زحمت مہر و زشاں پر میں ہوں وہ قطرہ شبنم جو مہر خاریاں پر  
 نہ چٹوئی خست یوسف یاں بھی خانہ آرائی سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے مذاق  
 فنا تعلیم درس بخودی ہوں اُس زمانہ سے کہ محض لام الف اکھتا تھا دیوار دستاں پر  
 فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے بہم گرم کر تے پارہ اسٹل مکداں پر  
 نہیں تعلیم الفت میں کوئی طواریاں اسیا کر پشت چشم سے جسکے نہ ہو مہر غواں پر  
 مجھے اب دیکھ کر بشیق آلود آیا کہ فرقت میری آتش برستی تھی گلستاں پر  
 بجز پرواز شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا قیامت اک سبوتاں سے خاک شہیداں پر

زنا صبح سے غالب کیا ہو اگر آئے شدت کی

ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر



ہے بکھرک اُنکے اُٹاسے میں نشانِ جو کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے کہاں اور  
 یارِ بُنِ نیت سمجھے ہیں نہ بھیجے مری بات مے اور دل اُن کو جو نہ مے جھکنا اور  
 ابرو سے ہے کیا اُس نگہِ ناز کو یہ یونہی ہے تیر مقرر نہ گراؤں اُس کی ہے کہاں اور  
 تم شہر میں ہو تو تمہیں کیا غم جب اُٹھیں گے لے آئیے بازار سے جا کر دل و جاں اور  
 ہر چند بکدست ہوئے بُت شکنی میں ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سب گراں اور  
 ہے خونِ جگر جو شہ میں دل کھول کے دُعا ہوتے جو کئی دیدہ و نسا بہ نشاں اور  
 مڑتا ہوں اِس آواز پہ ہر چند سر اُڑ جائے جلا دلوں لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور  
 لوگوں کو ہے خورشیدِ جہاں تاب کا دھوکا ہر روز دکھاتا ہوں میں اک لہرِ نہاں اور  
 دیتا نہ اگر دل تمہیں لیتا کوئی دم چہین کرتا جو نہ مڑتا کوئی دن آہ و فغاں اور  
 پاتے نہیں جب اہ تو چڑھ جاتے ہیں تالے رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے ڈاں اور

ہیں اور بھی دنیا میں حسن و بہت اچھے

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

صفحاتِ حیرت آئینہ ہے سامانِ زنگِ آخر تیرا بے برجامندہ کا پاتا ہے رنگِ آخر

نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیرِ وحشت کی

ہو اجامِ زمر و بھی مجھے دانا بُلکِ آخر

جنوں کی دنگیری کس سے ہو کر ہونہ عریانی  
 ہزار آئینہ دل باندھے ہے بال کیسے  
 فلک سے ہو کیشِ رفتہ کا کیا کیا قصہ ہے  
 ہم اور وہ بے سببِ بچ آشنا دشمن کر کھٹا ہے  
 فنا کو سو نپ کر شاق ہے اپنی حقیقت کا  
 اسد بیل ہے کس انداز کا قاتل سے کتا تھا

کہ مشقِ نازِ بحرِ خونِ دو عالم میری گردن پر

تکلفِ برطرف مل جائے گا تجھ سا قیاسِ آخر  
 لازم تھا کہ دیکھو مرا ستا کوئی دن اور  
 ہونا گئے کیوں اب رہو نہا کوئی دن اور  
 مٹ جائیگا سرگڑا پتھر نہ گھسے گا  
 آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کجاؤں  
 جاتے ہو بے کتے ہو قیامت کو طینچے  
 ہاں اے فلکِ پیرواں تھا بھی عارف  
 تم ماہِ شب چارو ہم تھے مے گھر کے  
 تم کون سے ایسے تھے کھرے اودود کے  
 کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے نہیں نفرت سی تیرے لڑائی ” بچوں کا بھی دیکھنا تماشا کوئی دن اور

گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش ناخوش کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

ناداں ہو چکے ہو کہ کیوں جیتے ہیں غالب

قسمت میں ہے مرنے کی تماشا کوئی دن اور

فارغ مجھے نہ جان کہ اس نہ صبح و مہر ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز

ہے باز غفلان زرا ز دست رفتہ ہوں کلف فروش شوخی داغ کفن ہنوز

میں خانہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں

خیمہ زہ کیچنے ہے بُت بیدار فن ہنوز

حریف مطلب شک نہیں فسون نیاز دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر دراز

نہ بہرہ بیا باں نور و دہم وجود ہنوز تیرے تصویر میں ہم نشیب فراز

وصال جلوہ تماشا ہے پردہ کھماں کہ دیجے آئینہ انتظار کو پرواز

ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتاب پرت گئی نہ خاک ہوئے پر ہوا جلوہ نما

نہ پوچھ وسعت بخانہ حبسوں غالب

یہاں یہ کاسہ گرد وں ایک خاک نداز

وسعت سہی کرم دیکھ کہ ستر اسر خاک گزرتے ہے آبلہ پا بگرہ سرباب ہنوز

سوزانی شع

یک قلم کا غدا آتش زدہ ہے صفحہ وشت

نقش پائیں ہے تپ گرمی رفتار ہنوز

کیونکر اُس بُستے رکھوں جان عزیز کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے ہے ترے تیر کا پیکان عزیز

تاب لائے ہی بنے گی غالب

واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

نئے گلِ نسیم ہوں نہ پردہ ساز میں ہوں اپنی شکست کی آواز

تو اور آراشیں نسیم کا کُل میں اور اندیشہ اے دور دراز

لافت تکلیں منسوب سادہ دلی ہم ہیں اور راز اے سینہ گداز

ہوں گرفتار الفت صیاد ورنہ باقی ہے طاقت پرواز

وہ بھی دن ہو کہ اُس ستگر سے ناز کھینچوں بجائے حسرت ناز

نہیں دل میں مرے وہ قطرہ خوں جس سے مڑ گاہ ہوئی نہ ہو گلاباز

اے تراغزہ یک قلم اُچھیند اے ترا ظلم سربر انداز

تو ہوا حب لوہ گر مبارک ہو ریزشِ حبدہ بسببِ نیاز

بھسک کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا میں غریب اور تو غریب نواز

## اسد اللہ خاں تسم ہوا

اے درین اوہ رندِ شاہِ باز

مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے دامِ خالیِ نفسِ مرغِ گرفتار کے پاس  
 بگڑتہ آزارِ تسلی نہ ہوا جوئےِ خوں ہم نے بہائی یں ہر خاک کے پاس  
 مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیا کے پاس  
 میں بھی رُک رُک کے نہ مزا جوڑاں کے پلے دشتِ اک تیز سا ہوتا میرے غمِ خوا کے پاس  
 دہنِ شیر میں جا بیٹھے لیکن لے دل نہ کھڑے ہوئے خوبانِ دل آزا کے پاس  
 دیکھ کر تجھ کو چین بک نہو کرتا ہے خود بخود پہنچے ہے گلِ گوشہ و ستار کے پاس  
 مر گیا پھوٹ کے سرِ غالبِ وحشی ہے ہے

بیٹھنا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

زیلوسے گز جس جو ہر اوت سبزہ خط سے لگا ہے خانہ آسینہ میں رُئے نگارِ آتش

فروغِ شمع سے ہوتی ہے تلِ شکلِ عاشق

نہ بکھلے شمع کے پاسے نکلے گرنے فائرِ آتش

جادہ رہ خور کو وقتِ شام ہے تا شعاع چرخِ واکر ہے ماہِ نو سے آغوشِ ذراع

رُجِ بنگار سے ہے سوزِ جاودانی شمع ہوئی ہے آتشِ گلِ آبِ زندگانی شمع

زبان اہل زباں میں ہے مرگ خاموشی<sup>۳۴</sup> یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شیخ  
 کرے ہے صرف بایاں شعلہ قصہ تمام بطر زابل فنا ہے فنا نہ خوانی شیخ  
 غم اُس کو حسرت پر دانہ کا ہے اشعلہ ترے لرزے سے ظاہر ہے ناتوانی شیخ  
 تم سے خیال سے رُوح اہتر زکرتی ہو بجلوہ ریزی باد و بہ پر فانی شیخ  
 نشاط دایع غم عشق کی بہار نہ پوچھ شگفتگی ہے شہید گلِ خزانہ شیخ  
 جلتا ہے دیکھ کے بالین یا پر مجھ کو

نہ کیوں ہو دل پہ مرے دایع بدگمانی شیخ  
 بزمِ قریب سے نہیں کرتے ودایع ہوش مجبوریاں تاک ہوئے اے ہتیا حیف  
 جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے  
 اے ناتمامی نفس شعلہ با حیف

زخم پرچھٹکے کسماں طفلان بے پڑا نک کیا مڑا ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نک  
 گردِ بارہ یار ہے سامانِ ناز زخیم دل ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قہر پیدائک  
 جھکوار زانی رہے تھک کو مبارک ہو جو نالہ بلیل کا درد اور خندہ گل کا نک  
 شور و جلاں تھا کنارِ بحر پر کس کا کہ آج گردِ ساحل ہے بزخمِ موجبِ دِائیک  
 داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی داہ واہ یاد کرتا ہے مجھے دیکھ ہے وجہِ جانک

چھوڑ کر جانا تین مروج عاشق حیف ہے " دل طلب تہا نہ نعم و انگیں ہیں عھانک  
غیر کی منت نہ کھینچوں گھاپے توقیر درد زخم شل خندہ قاتل ہے سرتاپا ناک  
یا دہیں وہ دن تجھے غالب کہ وجہ دہوں میں

زخم سے گزرتا تو میں بلکوں سے پھٹتا تھا ناک

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک  
دام ہر مروج میں ہے حلقہ صد کام ہنگ دیکھیں کیا گزرتے ہے قطرے پر گہ ہونے تک  
عاشقی صبر طلب اور متناہیتاب دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک  
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن خاک ہو جائیگی ہم تم کو خبر ہونے تک  
پر تو خور سے ہے شبہم کو فنا کی تسلیم میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک  
یک نظر پیش نہیں فرصت ہستی غافل گرمی بزم ہے اک رقص سر ہونے تک

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج

شمع ہر رنگ میں ملتی ہے سحر ہونے تک

گر تجھ کو پہنچیں اجابت دعا نہ مانگ یعنی بغیر یک دل بے مہمانہ مانگ

آتا ہے داغ حسرت دل کا شایا د

بغض سے مرے گئے کا حساب خدا نہ مانگ

ہے کس قدر ہلاک فریبِ وفا سے گلؔ      بیٹل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گلؔ  
 آزادی نسیم مبارک کہ مہرِ طرُنؔ      ٹوٹے پڑے ہیں حلقہٴ دایم ہوائے گلؔ  
 جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے میں لگیا      اسے داسے مالہ لبِ جوئیں نوائے گلؔ  
 خوش حال اُس حریفِ سیرت کا کہ جو      رکھتا ہو مثلِ سایہ گلؔ سرِ پائے گلؔ  
 ایجاد کرتی ہے اُسے تیرے لئے بہا      میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گلؔ  
 شرمندہ رکھتے ہیں مجھے باوہار سے      مینائے بے شرابِ دہلِ بے ہوائے گلؔ  
 سطوت سے تیرے جلوہٴ حُسنِ شیور کی      خوں ہے مری نگاہ میں نگِ ادائے گلؔ  
 تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک      بے اختیار دوڑے ہے گلِ درختائے گلؔ

غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشِ آرزو

جس کا خیال ہے گلِ جیبِ تباہے گلؔ

غم نہیں ہوتا ہے آوازوں میں ازیک نفس      برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم  
 غنچیں برہم کرے ہے گنجفہٴ باخِ خیال      ہیں درق گردانی نیز نگِ یک بُخانہ ہم  
 باوجودیک جہاں ہنگامہ پیدا ہی نہیں      ہیں چہرا غائبِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم  
 منفع سے ہے نہ نفع سے یہ ترکِ جستجو      ہیں دبا لکھیہ گاہِ ہستِ مردانہ ہم

دائِمِ اکھن اس میں لاکھوں تمنائیں اسد



جانتے ہیں سینہ پر غول کو زنداں خانہ ہم  
 بنالہ حاصل دل بستگی فراہم کر  
 متاع خانہ زنجیر حبس معلوم  
 بھکو دیا غریب میں مارا وطن سے دور  
 رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم  
 وہ حلقہ اسے زلف کہیں میں ہیں لے خدا  
 رکھ لیو میرے دعوے و ارستگی کی شرم

لوں دامِ بختِ فتنہ سے یک خوابِ خوش دے  
 غالب یہ خون ہے کہ کہاں سے ادا کروں  
 وہ فراق اور وہ وصال کہاں  
 وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں  
 فرصت کا رو بارِ شوق کسے  
 ذوقِ نظر اے جمال کہاں  
 دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا  
 شورِ سودا سے خط و قال کہاں  
 تھی وہ اک شخص کے تھوڑے سے  
 اب وہ رعنائی خیال کہاں  
 ایسا آسان نہیں ہو رونا  
 دل میں طاقت جگر میں حال کہاں  
 ہسم سے چھوٹا قمار خانہ عشق  
 واں جو بابتیں گہ میں مال کہاں  
 فنکرو نیائیں سر کھپتا ہوں  
 میں کہاں اور یہ دیال کہاں

مضمل ہو گئے تو لے غالب!

وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کی وفا ہم سے تو غیر اُس کو جفا کتے ہیں " ہوتی آتی ہے کہ اچھوں کو بُرا کتے ہیں  
 آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھے کیا کہتے ہیں  
 اگلے وقتوں کے ہیئت لوگ انہیں کچھ نہ کہو جوئے و نعمہ کو اندوہ نہ کرنا کہتے ہیں  
 دل میں آجائے ہے ہوتی ہے جو فرصت پیشے اور پھر کون سے نالے کو رنا کہتے ہیں  
 ہے پرے سرحدِ اراک سے اپنا بسود قبلہ کو اہل نظر قبلہ نہ کہتے ہیں  
 پائے افکارِ پچب سے تجھے رحم آیا ہے خار رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہیں  
 راکِ شرر دل میں اُس کوئی گہرائی لگا گیا آگِ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں  
 دیکھے لاقی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ اُس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں  
 وحشت و شیفۃ اب مرثیہ کہیں شاید

مر گیا غالب آشفۃ نوا کہتے ہیں

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں میں دشتِ غم میں آہوے عیاں دیدہ ہوں  
 ہوں دردمند جبر ہو یا اختیار ہو گمہ نالہ کشیدہ گمہ اشکِ پچیدہ ہوں  
 جاں لب پڑائی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن از بسکہ تلخی غمِ حبابِ چشیدہ ہوں  
 نے سب سے علاقہ نہ ساغر سے واسطہ میں مرضِ مثال میں دستِ بُریدہ ہوں  
 ہوں خاکِ رپر نہ کسی سے ہے جھکوا لاگ نے دانہ نہ تبادہ ہوں نے دامِ چیدہ ہوں

جو چاہتے نہیں وہ مری قدر و منزلت " میں یوسف بقیہ است اذل خریہ ہوں  
 ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ ہوں میں کلام نغزو نے ناشنیدہ ہوں  
 اہل ورع کے حلقہ میں ہر چند ہوں ذیل ہر غاصیوں کے فرقہ میں میں برگزیدہ ہوں  
 پانی سے لگ گزیدہ ڈرنے طرح اسد

ڈرتا ہوں آئینہ سے کہ مرد گزیدہ ہوں

آبرو کیا خاک اُس گل کی چوگلش میں نہیں ہے گریاں تنگ پہلہن جو دامن میں نہیں  
 ضعف لے کر یہ اتنی کچھ مے تن میں نہیں رنگ ہو کر اُڑ گیا جو فوں کہ دامن میں نہیں  
 ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہ آفتاب ڈرتے اُسکے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں  
 کیا کہوں تاریکی زندانِ عسماً اندھیر ہے پنہ نور صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں  
 ردق ہستی ہے عشق خانہ ویراں ساز سے انجن بے شمع ہے گر برق حسد میں نہیں  
 زخم سوانے سے مجھ پر جاہ جونی کا ہے طعن غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں  
 بلکہ ہم ہیں اک ہمارا ناز کے لئے ہوئے جلوہ گل کے ہوا اگر اپنے دفن میں نہیں  
 قطرہ قطرہ اک ہیولی ہے نئے ناسور کا خوں بھی دزدق در سے فاع مے تن میں نہیں  
 لیگی ساتی کی نخوت قلم آشی مری مونہ سے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں  
 ہوشا رخصت میں کیا ناتوانی کی نمود قد کے بچکنے کی بھی گناہش مے تن میں نہیں

تھی دُش میں ان کی آغالب جو غریب تھے  
بے تکلف ہوں وہ شہتیں گدگش میں نہیں

عمدے سے سب ناز کے باہر نہ آسکا      گراں ادا ہو تو اُسے اپنی قضا کیوں  
صلے ہیں چشم اُسے کتا وہ ہونے لے      ہوتا زلف کو منجھہ سر سرہ سا کیوں  
میں اور صد ہزار نو اُسے جگر زاش      تو اور ایک وہ نشین کی کیا کیوں  
ظالم مرے گماں سے مجھے نفع نہ چاہ  
سہ ہے خدا نہ کرو تجھے یوں فاکہوں

مہرباں ہو کہ بلا مجھے چاہوں دقت      میں کیا دقت نہیں ہوں کہ پھر کبھی نہ کھوں  
صفت میں طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہے      بات کچھ سرتو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ کھوں  
زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو سترگر در نہ

کیا قسم ہے تے ملنے کی کہ کھا جی نہ کھوں

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ پستی ایک دن      ورنہ ہم چھڑینگے رکھ کر غریب پستی ایک دن  
غزہ اوج بنائے عالم اسکاں نہ ہو      اس بلندی کے نصیب نہیں پستی ایک دن  
قرض کی پیتے تھے لیکن بجھتے تھے کہ ہاں      رنگ لائیگی ہماری فاقہ پستی ایک دن  
نمہ ہائے دل کو بھی اسے دل غنیمت جانے      بے صدا ہو جائیگا یہ ساڑھ پستی ایک دن

دھول دھپانس سراپا آواز کا شہ وہ نہیں

ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشہ تھی ایک ن

ہم پر جفا سے ترک وفا کا گناہ نہیں اک چھپر ہے وگرنہ مراد امتحان نہیں  
کس منہ سے شکر کیجئے اس لطفِ خاص کا پرسش ہے اور پائے سخن دیباہ نہیں  
ہم کو کسٹم عزیز ستلگو کو ہسم عزیز تاملہاں نہیں ہے اگر مہربان نہیں  
بوسہ نہیں نہ دیجئے دشنام ہی سہی آتر زباں تو رکھتے ہونتم گردان نہیں  
ہر چند جاں گدازی قمر و عتاس ہے ہر چند پشت گرمی تاب و توان نہیں  
جاں سطر بر ترانہ عقل فہم مزید ہے لب پردہ سنج زمزمہ الامان نہیں  
ہے تنگ سینہ دل اگر آتش کدہ نہ ہو ہے عار و نفش اگر آفرقشان نہیں  
خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم دل میں چھری چھو مڑہ گونچکال نہیں  
نقصان نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب سوز زمیں کے بدلے بیا باں گراں نہیں  
کتے ہو کیا لکھا ہے تری سر نوشت میں گویا جیس پہ سجدہ بہت کا نشان نہیں  
پتا ہوں اُس سے داد کچھ اپنے کلام کی روح القدس اگر چہ مرا ہم زبان نہیں

جاں ہے ہوائے بوسہ دے کیوں کہی ابھی

غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جان نہیں

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں " ایک پتھر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں  
 شوق اس دشت میں ڈٹے ہے بھلکا کہاں جادہ غیر از گھمبہ دیدہ تصویر نہیں  
 حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے جادہ راہ وصال جز دم شمشیر نہیں  
 رنج نو میدی جاوید گوارا رہیو خوش ہوں گر نالہ زبونی کش تاثیر نہیں  
 سر کھچا تا ہے جہاں زخم سراپا ہو جائے لذت نگ باندازہ قہر نہیں  
 جب کرم رخصتِ میاکی و گستاخی کوئی تقصیر مجرب نہ محبتِ تقصیر نہیں  
 غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ

آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ زنجیر نہیں

مت مرد مکِ چشم میں سمجھو یہ نگاہیں ہیں جج سوید اسے دلِ چشم میں آئیں  
 بزرگال گریہ عاشق ہے دیکھا چاہتے کھل گئی مانندِ گلِ سوجا سے دیوارِ چین  
 اُلفتِ گل سے غلط ہے دعویٰ دارِ گل

سرد ہے باوصفِ آزادی گرفتارِ چین

عشق تاثیر سے نو مید نہیں حبِ ناپاری شجرِ بد نہیں  
 سلطنت دستِ بدست آئی ہے جامِ حاتمِ جیشہ نہیں  
 ہے تجلِ تری سامانِ وجود ذرہ بے پروا خورشید نہیں

رازِ معشوق نہ رسوا ہو جائے "ورنہ مرجبانے میں کچھ بھید نہیں  
 گردشِ رنگِ طرب سے ڈیے عنبِ محرومیِ حب وید نہیں  
 کہتے ہیں جیسے ہیں امید پہ لوگ ہم کو جینے کی بھی اُمید نہیں  
 جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں خیاباںِ خیاباں ادم دیکھتے ہیں  
 دلِ آشفنگاں خالِ کنجِ ذہن کے سوید ایس سیرِ عدم دیکھتے ہیں  
 ترے سروِ قامت سے اک تہِ آدم قیامت کے تھے کو کم دیکھتے ہیں  
 تماشا کہ اے محوِ آسینہ داری تجھے کس تنائے ہم دیکھتے ہیں  
 سراپِ قلبِ نالہ دارِ غِ دل ہے کہ شہزاد کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فقیروں کا ہم ہمیں غالب

تماشا ہے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

ملتی ہے خوشی یارے نارِ التاب میں کافر ہوں گرنہ ملتی ہو راحت عذاب میں  
 کب سے ہوں کیا تاؤں جہاںِ خرابیاں شبِ اے ہجر کو بھی رکھوں گرجاں میں  
 ناچہرہ انتظاریں نیند آئے عسیر آئے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں  
 قاصد کے آئے آئے خطِ اکِ دلِ رکھوں میں جانا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں  
 مجھ تک کب آنکی نرم میں آتا تھا دوبرِ جام ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

جو منکر و فاجر ہوں سب اس پہ کیا چلے ” کیوں بدگماں ہوں دوست دشمن کے پاس میں  
 میں مضطرب ہوں دل میں غم قریب سے ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں  
 میں اور خط و صل خدا ساز بات ہے جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں  
 ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے ہے اک شکن پری ہوئی طرف نقاب میں  
 لاکھوں لگاؤ ایک چہرانا نگاہ کا لاکھوں بناؤ ایک جگر ناعتاب میں  
 وہ مالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے جس نالہ سے شکست پڑے آفتاب میں  
 وہ بھردہ عاطیلی میں نہ آئے کام جس بحر سے سفید نہ رواں ہو شراب میں

غالب چٹّی شراب پر لب بھی کبھی کبھی

پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں

کل کے لئے کراں نہ خست شراب میں یہ سو بطن ہے ساقی کوثر کے باب میں  
 ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں  
 جاں کیوں نکلے گئی تھی تن سے دم سلا گروہ صداسانی ہے چنگ درباب میں  
 رو میں ہے خشن عمر کہاں دیکھے تھے نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پاپے کا باب میں  
 اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُد ہے جتنا کہ وہم غیر سے ہوں پیچ و تاب میں  
 اصل شہود و مشاہد و شہود ایک ہے حیراں ہوں بھر شاہد ہے کس حساب میں



نہ مثل نمود صور پر وجود مجسر "یاں کیا دھڑا ہے قطرہ و موج و حباب میں  
 شرم اک اداسے ناز نہ اپنے ہی سے ہی ہیں کتنے بے حجاب کہ یوں ہیں حجاب میں  
 آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنسوز پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں  
 ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شود ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیغ اب میں  
 غالب ندیم دوست سے آئی ہے بچے دوست

مشغول حق ہوں بندگی پوڑا اب میں

جیلاں ہوں دل کو روؤں کی پٹیوں بلکہ کو میں مقدور ہو تو ساتھ رکھوں فوجہ گر کو میں  
 چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں  
 جانا پڑا قریب کے در چہ زار بار اے کاش جاتا نہ تری رہ گئے رکڑ کو میں  
 ہے کیا جس کے باندھے میری بلا ڈٹے کیا جاتا نہیں ہوں تیری کمر کو میں  
 لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ نام ہے یہ جاتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں  
 چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیرے کے ساتھ پہچانا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں  
 خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار کیا پوچھتا ہوں اُس بت بیدا گر کو میں  
 پھر بھی دی میں بھول گیا راہ کو سے یار جاتا اگر نہ ایک دن اپنی خبر کو میں  
 اپنے پکر رہا ہوں قیاس اہل دھڑکا سمجھا ہوں دل پذیر متاع نہر کو میں

غالب خدا کرے کہ سوارِ سمنہ ناز

دیکھوں سلی بہادری گئی گس کر میں

ذکرِ میرا یہ بدی بھی اُسے منظور نہیں      غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں  
وعدہ یہ گستاخاں ہے خوشاطالعِ شوق      مرنے قتلِ صفت رہے جو مذکور نہیں  
شاہد ہستی مطلق کی کسر ہے عالم      لوگ کہتے ہیں کہ ہے پرہیزِ منظور نہیں  
قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا کیکن      ہم تو تقلیدِ تنکے ظریفی منصوبہ نہیں  
حسرت لے ذوقِ خرابی کہ وہ طائفتِ ہی      عشق پر عربہ کی گوں تن بجز نور نہیں  
میں جو کہتا ہوں کہ ہم لینے قیامت ہیں تمہیں      کس رعوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم نور نہیں  
ظلمِ ظالم اگر لُطمہ در رخ آتا ہو      تو تعافِ اہل میں کسی رنگ سے مغفور نہیں  
صاف دردی کش پیمانہ جم ہیں ہم لوگ      واے وہ بادہ کافشردہ انگور نہیں

ہوں نظوری کے مقابل میں خفائی غالب

میرے دعوے پر یہ حجت ہے کہ شہو نہیں

نالہ بجز حُسنِ طلب لے تم ایجا نہیں      ہے تقاضاے جفا شکوہ بیدا نہیں  
عشق و مزدوری عشرت کہ سر و کیا خوب      ہم تو سلیم کو نامی سدا نہیں  
کم نہیں وہ بھی خرابی میں پر وسعتِ علوم      دشت میں ہے مجھے وہیش گھرا نہیں

ابن ہش کو ہے طوفانِ حوادث کتب " لطمہ موجِ کم از سیلِ استا نہیں  
 واسے محروقیِ سلیم و بداحال وفا جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فرما نہیں  
 بجب تکمین گلِ ولالہ پریشان کیوں ہے گر چراغانِ سب پر گزریا نہیں  
 سب گُل کے تلے بند کرے گلچیں مژدہ اسے مرغِ گزار میں صیاد نہیں  
 نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا دی ہے جاے دہن کس دم ایجا نہیں  
 کم نہیں جلوہ گری میں تے کو چہ بے ثبات یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آبا نہیں  
 کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت لایک

تم کو بے مہری یارانِ وطن یاد نہیں  
 دونوں جہان دیکے وہ سمجھے کہ خوش رہا یاں آپڑی یہ شرم کہ تھکا کر کیا کریں  
 تھک تھک کے ہر مقام پہ دوچار گئے تیرا پستانہ پائیں تو ناچا کر کیا کریں  
 کیا غم کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم  
 ہو غم ہی جاں گداز تو غنوار کیا کریں  
 ہو گئی ہے غیر کی شیریں زبانی کا رگر عشق کا اُس کو گماں ہم بے زبانوں نہیں  
 قیامت کہ لیل کا دشمن تیس میں آنا تھو ہے وہ بولایوں بھی تھلے لائے نہیں  
 دل نازک پہ اُس کے حرم آتا ہے بھلے لیتا

نہ کر سرگرم اُس کا فروغِ الفت آنانیس

اُن لگا لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا  
 باسے پانی بیکسی کی ہم نے پائی دایاں  
 یں زوالِ آمادہ اجزا آفرینش کے تمام  
 مہر گردوں ہے چراغِ رہ گز اربادیاں  
 یہ ہم جو جہزیں دیوار و در کو دیکھتے ہیں  
 کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں  
 وہ آئیں گھر میں سے خدا کی قدر ہے  
 کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں  
 نظر لگے کہیں اُس کے دست و بازو کو  
 یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جل کو دیکھتے ہیں  
 ترے جو اہرِ طرف کلمہ کو کیا دیکھیں!

ہم ادبِ طالعِ لعل و گھر کو دیکھتے ہیں

نہیں کہ بھلو قیامت کا اعتقاد نہیں  
 شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں  
 کوئی کہے کہ شبِ بے میں کیا بُرائی ہے  
 بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں  
 جواؤں سامنے اُن کے تو مرجا بیکیں  
 جو جاؤں اُس سے کہیں کو تو خیر باد نہیں  
 کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں  
 کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں  
 علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی سزا  
 گدائے کو چہ میخانہ نامر اد نہیں  
 جہاں میں جو خم و شادی ہم ہیں کیا کام  
 دیا ہے ہم کو خدا نے ڈل کر ثنائیں  
 تم اُن کے وعدہ کا ذکر اُن سے کیوں دیتا

یہ کیا کہ تم کو اور وہ تمہیں کیا نہیں

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں  
آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے؟ ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں  
تیری فرصت کے مقابل لے عمر! برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں  
قیہ ہستی سے رہائی معلوم اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں  
نشہ رنگ سے ہے واشد گل مست کب بن تبا باندھتے ہیں  
غلطیٹھائے مضامین مت پوچھ لوگ نالے کو صبا باندھتے ہیں  
اہل تدبیر کی دامانگیاں آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

سادہ پُرکار میں خواں غالب

ہم سے بیان وفا باندھتے ہیں

زمانہ سخت کم آنا رہے بجان اسد و گرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں  
دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں خاک ایسی زندگی پر کہ پتھر نہیں ہوں میں  
کیوں گردشِ مدام سے گھبرانے جلے دل؟ انسان ہوں پیالہ دماغ نہیں ہوں میں  
یارِ زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے لوحِ جہاں پہ حرفِ کز نہیں ہوں میں  
حد چاہئے سزا میں عقوبت کے واسطے آخِ گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے " نعل و زمرہ دوڑ گوس نہیں ہوں میں  
 رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں نہ بچا رُتبے میں مہروماہ سے کمتر نہیں ہوں میں  
 کرتے ہو مجھ کو منہ قدموں کس لئے کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں  
 غالب و طیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا

وہ دن گئے جو کہتے تھے ذرا نہیں ہیں

کسپاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں خاک میں کیا صورتیں ہو گئی کہ پناہاں ہو گئیں  
 یاد تھیں ہم کو بھی رنگ و رنگ بزم آرائیاں لیکن اب نقش و نگار طاق و سیاہاں ہو گئیں  
 تھیں بات انش و گردن کو پوچھیں نہاں شب کو ان کے ہی میں کیا آئی کہ غزلیاں ہو گئیں  
 قید میں یعقوب نے لی گوئیہ یوسف کی خبر لیکن آنکھیں روزن دیوار زنداں ہو گئیں  
 سب قیدیوں سے ہونا خوش پران بھر ہے زینا خوش کہ مجاہد کھفتاں ہو گئیں  
 جتنے خوش آنکھوں سے بنے دو کہ ہوشام فرق میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں روز و رازاں ہو گئیں  
 ان پر یزادوں سے لینے غلہ میں ہم انتقام قدرت حق سے یہی خوریں اگر واں ہو گئیں  
 نیند اس کی پہنچ اس کلبے رہیں نہ کی ہیں تیری نفیس جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں  
 میں چہ نہیں کیا گیا گو یاد بستاں کھل گیا بلبلیں مَن کر مرے نالے غرغراں ہو گئیں  
 وہ بگھاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یا رب لکے پا جو مری کوتاہی قسمت سے مرگ گاہاں ہو گئیں

بکد روکامیں نے اور سینیئر بھریں ہے ہے  
 وائ گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب  
 یا دھتیں جتنی دعاتیں صرف دریاں ہو گئیں  
 سب لکیریں ہاتھ کی گویا گب جاں ہو گئیں  
 ہم سوحد ہیں ہمارا پیش ہے ترک رسوم  
 بچے خور ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے بچ  
 میری آہیں بخینہ چاک گریباں ہو گئیں  
 ملتیں جب سٹگیں اجڑائے ایماں ہو گئیں  
 مشکلیں مجھ پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یوں ہی گرد و قار با غالب تولے اہل جہاں

دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

دیوانگی سے دوش پر زنا رہی نہیں  
 دل کو نسیا ز حسرت دیدار کر چکے  
 یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں  
 دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں  
 ملنا اگر ترا نہیں آساں تو سہل ہے  
 بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی چوراہیاں  
 شوریدگی کے ہاتھ ہے مُرباں دُش  
 صحرائیں اسے خدا کوئی دیوار بھی نہیں  
 یان ل میں ضعف سے ہوس یا رہی نہیں  
 قدر نامائے زائے سے خدا کو مان  
 دل میں ہے یار کی صف تر گاہ کے روشنی  
 دُشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں  
 حالانکہ طاقتِ خلش خار بھی نہیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا ۴۰ رٹتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بار بار

دیوانہ گز نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

نہیں ہے زخم کوئی بخیر کے درخیزے تن میں      ہوا ہے تارِ اشک یا اس رشتہ چشمِ وزن میں  
ہوئی ہے مانج ذوق تماشا خانہ ویرانی      کفِ سیلاب باقی ہے بزرگِ جنبہِ وزن میں  
ودعیت خانہ بیدار کاوشائے مرغیاں ہوں      نگین نام شاہ ہے مراہِ قطروں تن میں  
بیان کس سے ظلمت گسری سے شبستان کی      شہتہ ہو جو رکھدیں جنبہ دیواروں کے وزن میں  
نکوہش مانج بے ربطی شورِ حبسوں آئی      ہوا ہے خندہ احباب بخیرِ حبیبِ دامن میں  
ہوئے اس مہروش کے جلوہ تمثال کے آگے      پرانٹاں جو ہر آئینہ میں شل ذرہ وزن میں  
نہ جانوں نیکنی یا بدیوں پر صحتِ مخالفت      جو گلِ حق ہوں گلِ حق میں جو حق تو ہوں گلشن میں  
ہزاروں دل لیے جوشِ جنونِ عشق نے جھکوا      سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن میں

اسد زندانی تاثرِ الفت ہائے خوابوں

خیم دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

مرے جہان کے اپنی نظریں خاک نہیں      سوائے خونِ جگر سو جگر میں خاک نہیں  
مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے      دگر نہ تاب دتواں بالِ و پرِ خاک نہیں



یکس بہشت شہاں کی آمد آمد ہے کہ غیر جلوہ گل رہ گزیر میں خاک نہیں  
 بھلا اُسے نہ سہی کچھ مجھی کو جسم آتا اثر میرے نفس بے اثر میں خاک نہیں  
 خیال جلوہ گل سے غراب میں سیکش شراب خانہ کے دیوار و در میں خاک نہیں  
 ہوا ہوں عشق کی عمارت گری شہر نہ سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں  
 ہمارے شعر ہل بھر دل لگی کے ساتھ  
 کھلا کہ فائدہ عرض نہیں میں خاک نہیں

دل ہی تو ہونے گشت در سے بڑھ آئے کیوں  
 دینیں حرم نہیں دینیں آستان نہیں  
 جب وہ جمال و لہر و صورت مہر میر و  
 دشنہ غمرہ جانتاں ناوکِ ناز بے پناہ  
 قید حیات و بندِ غم اہل میں نون ایک ہیں  
 حُسن اور اُس چہرِ ظن گہی بواہوں کی شرم  
 واں وہ غرورِ غرورِ نازیاں یہ جاسپاں وضع  
 ہاں وہ نہیں خاںِ ابرت جاؤ وہ بیوسفاسی  
 غالبتے کے بغیر کون سے کام بند ہیں؟  
 دینے گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں  
 بیٹھے ہیں رہ گزیر ہم غم نہیں اٹھائے کیوں  
 آپ ہی ہوں نظارہ سوز پریم میں چھپائے کیوں  
 تیرا ہی عکس رخ سہی سائے تیرے آئے کیوں  
 موت سے پہلے آدمی غم سے نہات پائے کیوں  
 اپنے پتھار ہے اور کو آزمائے کیوں  
 راہ میں ہم ہیں کہاں بزم میں بلائے کیوں  
 جھکو ہو دین و دل عزیز انکی گلی میں جا کیوں  
 ویسے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

غنچہ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں <sup>۵۶</sup> بوسہ کو پوچھا ہوں میں سے مجھے بتا کہ یوں  
 پریش طرزِ دلبری کیجئے کیا کہ بن کے اُسکے ہر اک اشارے سے نکلے یہ یاد ا کہ یوں  
 رات کے وقت مے پئے ساتھ قریب کو لئے آئے وہ یاں اکرے پر نہ کرے خدا کہ یوں  
 غیرے ات کیا بنی یہ جو کس تو دیکھے سانسے آن بیٹھا اور یہ دیکھت کہ یوں  
 بزم میں اُسکے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھے اُسکی تو خاموشی میں بھی یہی تہ عا کہ یوں  
 میں نے کہا کہ بزمِ ناز غیر سے چاہے تھی سُنکے تہم ظریف نے جھکوا اٹھا دیا کہ یوں  
 مجھے کہا جو اِنے چلتے ہیں ہوش کس طرح دیکھ کے میری بخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں  
 کب مجھے کوئے یا میں رہنے کی نفع یا دتی؟ احمینہ وار بن گئی حیرت نقشِ پاکہ یوں  
 گرتے دل میں ہو خیالِ نعلِ میں تن کا زوال موجِ محیطِ آب میں مے ہے دستِ پاکہ یوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کہ ہو رشکِ فاری

گفتہ غالب یکبار پڑھکے اُسے سنا کہ یوں

حد سے دلِ لافسردہ ہے گرم تہاں ہو کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے داہو  
 بقدرِ حسرتِ دل چاہے ذوقِ معاصی بھی بھڑوں یک گوشہ دامنِ گراپِ ہفت دریاہو

اگر وہ سرد قد گرم حشرِ امِ ناز آجائے

کفِ ہر خاکِ گلشنِ شکرِ قسری نالہ فرساہو

کہیں جبار ہا تو نہ دو طغہ کیا کہیں<sup>۴۰</sup> بھولا ہوں حق صحبت اہل کشت کو  
 طاعت میں تاسے نہ سے وانگیں کی لاگ دونخ میں ڈال دو کوئی لیکر بشت کو  
 ہوں مخرف نہ کیوں رہ ورم ثواب سے ٹیڑھا لگا ہے نطامت لم سروشت کو  
 غالب کچھ اپنی سسی سے تنائیں مجھے  
 خرمن جلے اگر نہ بخ کھائے کشت کو

دار سے اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو کیے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو  
 چھوڑا نہ مجھ میں صفت نے رنگ اختلاط کا ہے دل پہ بانقش محبت ہی کیوں نہ ہو  
 ہے جھکو تجھ سے تذکرہ غمیر کا گلہ ہر چند برسبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو  
 پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا یوں ہو تو چارہ غم اُلفت ہی کیوں نہ ہو  
 ڈالانہ سیکسی نے کسی سے معاملہ اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو  
 ہے آدمی بجائے خود اداک محض خیریاں ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو  
 ہنگامہ زبونی ہمت ہے انفصال حاصل نہ کیجے دہرے عبرت ہی کیوں نہ ہو  
 دار ستگی بہانہ بیگانگی نہیں اپنے سے کر نہ غیرے وحشت ہی کیوں نہ ہو  
 پتا ہے فوت فرصت ہستی کا غنم کہیں عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو  
 اُس فتنہ خو کے دے اب ٹٹے نیل اسد اس میں ہمارے سر پر قیامت ہی کیوں نہ ہو

میں ہوں گرا چھا ہفتا نیاں سیڑھیوں کو <sup>۵۹</sup> مرا ہونا بڑا کیا ہے تو اس جان گلشن کو  
 نہیں گہم ہی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے <sup>۶۰</sup> زدی جوتی خدایا آرزو سے دوست دشمن کو  
 نہ نکلا آنکھ سے تیرے اک انساں احسب <sup>۶۱</sup> کیا سینہ جس نے خوشکھاں خوشکھاں زن کو  
 خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہشتاں میں <sup>۶۲</sup> کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دہن کو  
 ابھی ہم قتل گمہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں <sup>۶۳</sup> نہیں دیکھنا دوجو سے خونیں تیسے توں کو  
 ہوا چہرہ چا جو میرے پاؤں کی زنجیر بنے کا <sup>۶۴</sup> کیا بیتاب کاں میں حبش جو ہر تھے تہر کو  
 خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار آئے <sup>۶۵</sup> بھٹکا ہونک دھونڈے ہے ابھی سے برقی سر کو  
 وفاداری بشرط استواری اہل ایمان ہے <sup>۶۶</sup> محبت خانہ میں تو کہیں گاڑو ہرمن کو  
 شہادت تھی مری قسمت ہی دی تھی یہ جو مجھ کو <sup>۶۷</sup> جہاں تلوار کو دیکھا مجھ کا دیتا تھا گردن کو  
 نہ لٹکان کو تو کہہ است کو یوں بے خبر ہوتا <sup>۶۸</sup> رہا کھٹکانہ چوری کا وعادیتا ہوں سہن کو  
 سخن کیا کہ نہیں سکتے کہ جو یا ہوں جواہر کے <sup>۶۹</sup> جگر کیا ہم نہیں کھتے کہ کو دیں جاکے مدفن کو  
 مہرے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں لیتا

فریدون جہم کو خیر و داراب و بہمن کو

و ہوتا ہوں حبیب میں پیئے کو اس تین کے پاؤں <sup>۷۰</sup> رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پاؤں  
 دی سادگی سے جان پردوں کو کہن کے پاؤں <sup>۷۱</sup> ہیما ت کیوں نہ ٹوٹ گئے سپیڑن کے پاؤں

بھائے تھے ہم بہت سوئی کی نلرا ہے یہ <sup>۵۹</sup> ہو کر اسیر دابھیں راہزن کے پاتو  
 مر دم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور تن سے سوانگا تیل اس خستہ تن کے پاتو  
 اللہ سے ذوقِ دشتِ نوردی کہ بعد مرگ ہلتے ہیں خود بخود مرے اندکفن کے پاتو  
 ہے جو شگل بہا میں یہاں تک کہ ہر طرف اڑتے ہوئے اُبھتے ہیں مرغِ بہن کے پاتو  
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں دیکھتے ہیں آج اُس بُتِ نازکین کے پاتو  
 غالب مے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو

پتیا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن پاتو  
 داسِ اسکوہول دل ہے تو بایں میں شرمسار یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو  
 اپنے کو دیکھتا نہیں ذوقِ ستم تو دیکھ  
 آئینہ تاکہ دیدہ پنچھیر سے نہ ہو

داں پہنچ کر خوش آتا ہے ہم ہے ہم کو صدرہ آہنگ زین بوس قدم ہے ہم کو  
 دل کو یں اور مجھے دلِ محوِ وفارکھتا ہے کس قدر ذوقِ گرفتاری ہم ہے ہم کو  
 ضعف سے نقش پے ہوئے طوقِ گردن تیرے کو چسے کہاں قناتِ رم ہے ہم کو  
 جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو یہ جگہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو  
 رشک ہم طرحی و درِ داثر باگِ حزیں نالہ مرغِ سحر تیغِ دودم ہے ہم کو

سراڑا نے کے جو وعدہ کو مکر چپا ۲۰ ہنس کے بولے کہ تم سے سر کی قسم ہے ہم کو  
 دل کے غول کرنے کی کیا وجہ لوگین ناچار پاس بے رونقی دیدہ اہم ہے ہم کو  
 تم وہ نازک کہ خموشی کو غماں کھتے ہو ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو  
 لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یہی ق ہوں سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو  
 مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر عزم سیر بخفت و طوف حرم ہے ہم کو  
 لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب

جادو رہ کشش کا کرم ہے ہم کو

تم جانو تم کو غیر ہے جو رسم دراہ ہو مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو  
 بچے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے قاتل اگر قریب ہے تو تم کو اہ ہو  
 کیا وہ بھی بگینہ کش و حق تماشیاں میں انا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو  
 ابھرا ہوا نقاب میں ہے اُنکے ایک تار مڑا ہوں میں کہ یہ کسی کی نگاہ ہو  
 جب بیکدہ پٹھا تو پیرا بکیا جگہ کی قید مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو  
 سُنئے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درت لیکن خدا کے وہ تراجلوہ گاہ ہو

غالب بھی گنہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں

دُنیا ہو یا رب اور مرزا بادشاہ ہو

گئی وہ بات کہ ہو گفت گو تو کیونکر ہو " کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو  
 ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہی نام وصال لگ کر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو  
 ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے حیا ہے اور یہی گومت گو تو کیونکر ہو  
 تم ہی کہو کہ گزارہ صنم پرستوں کا بتوں کی ہوا اگر ایسی ہی خود تو کیونکر ہو  
 اُبھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ جو تم سے شہر میں ہوں ایک تو کیونکر ہو  
 جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو  
 ہمیں پھر ان سے امید اور انہیں ہماری قدر ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو  
 غلط نہ تھا ہمیں خطِ پرگات سلی کا نہ مانے دیدہ دیدار جو تو کیونکر ہو  
 بتاؤ اس شرہ کو دیکھ کر ہوجھ کو قرار یہ نیش ہو رگ جاں میں فرد تو کیونکر ہو

مجھے جُنوں نہیں غالب ملے بقولِ حضور

فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

کسی کو دیکھے دل کوئی نوا بن نہاں کیوں ہو نہ ہو جیل ہی سینہ میں تو پھر سزین مل کیوں  
 وہ اپنی خود نہ چھوڑے غم اپنی وضع کیوں گھٹا نہیں نہ کہ سرِ نیکیا پوچھیں کہ ہم سے گراں کیوں  
 کیا غوار نے سوا لگے آگ اس محبت کو نہ لاوے تابعِ غم کی وہ سیرازِ دواں کیوں ہو  
 دنا کیسی کہاں کا عشق جب سر بھوڑنا ٹھہرا تو پھر لے سنگدل تیرا ہی سنگِ تال کیوں ہو

قفس میں مجھے دواؤں میں کتنے نہ ڈرہم  
 گری ہے چپکل کلی وہ آئیاں کیوں ہو  
 یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پریت لاؤ  
 کہ چپل میں تھی تم ہو تو آنکھوں سے کہاں کیوں ہو  
 غلط ہے جذبہ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے  
 نہ کچھ گزرتا ہے کوئی کش دریاں کیوں ہو  
 ریت نہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے  
 ہوئے تم دوست جبکہ انکا دشمن آسمان کیوں ہو  
 یہی ہے آزمائش تو سنا ناکس کو کہتے ہیں  
 عدو کے ہو لئے جب تم تو میرا تھاں کیوں ہو  
 کہا تم نے کہ کیوں نہیں سُنوائی  
 بجا کہتے ہو جاکتے ہو پھر کہو کہ ہاں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طغوں سے تو خلیب

تسے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں

رہے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو  
 ہم سخن کوئی نہ ہوا اور ہم زباں کوئی نہ ہو  
 بے درو دیوار سناں گھر تپا چاہتے  
 کوئی ہمایہ نہ ہوا اور پاسبان کوئی نہ ہو  
 پڑیے گریباں تو کوئی نہ ہو بیمار دار  
 اور اگر مر جائیے تو نوہ خواں کوئی نہ ہو  
 از مہر تاجہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ  
 طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ  
 ہے سبزہ زار ہر درو دیوار ہر قسم کہہ  
 جس کی بہاریہ ہو پھر اس کی خزان پوچھ  
 ناچار میکسی کی بھی حسرت اٹھائیے  
 دشواری رہے و ستم ہر ہاں نہ پوچھ  
 شبِ جمال میں ہنس گیا ہے بن تکیہ  
 ہوا ہے موجبِ آرام جان و تن تکیہ



خزان باد شیریں کی کون انگوٹ آج<sup>۳۳</sup> کہ بن گیا ہے غم جہد پر شکن تیکہ  
 بنا ہے تختہ گل ہائے یاسیں بستر ہوا ہے دستہ نسرن و نسرین تیکہ  
 فروغِ حُسن سے روشن ہے خواجہ نام جو رفت خواب پر دین تو پرین تیکہ  
 مزائے کہو کیا خاک ساتھ سونے کا رکھے جو چیمیں وہ شیخِ سیم تن تیکہ  
 اگرچہ تھایہ ارادہ مگر حقد کا شکر اٹھا سکا نہ زنا کتے گلبدن تیکہ  
 ہوا ہے کاشکے چادر کو ناگمانِ غائب اگرچہ زانوئے نعل پر رکھے دمن تیکہ  
 بضر بے تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا کہ ضربِ تیشہ پر رکھا تھا کوکن تیکہ  
 یہ رات بھر کلچہ گامِ صبح ہونے تک رکھو نہ شمع پر اے اہلِ انجمن تیکہ  
 اگرچہ پھینک یا تم نے دور سے لیکن اٹھائے کیونکہ یہ رنجور خستہ تن تیکہ  
 غش آگیا جو پس از قتل میسے قاتل کو ہوئی پھر اُسکو مریٰ نیش بے لکھن تیکہ  
 شبِ فراق میں خیال ہے اذیت کا کہ سانپ فرسے اوزار پکے ہے تن تیکہ  
 ردِ او رکھو نہ رکھو تھا جو لفظ تحیہ کلام اب اس کو کہتے ہیں اہلِ سخن تیکہ

ہم اور تم فلکِ پیر جس کو کہتے ہیں

فقیرِ غالب کیس کا ہے کہن تیکہ

توڑ بیٹھے جبکہ ہم جامِ دسبو پھر ہم کو کیا آسمان سے بادِ گلفام مگر برس کرے

میں شتاقِ جفا بھپہ جفا اور سی ۶۴ تم ہو بیدار میں خوش اس ہو اور سی  
 غیر کے مرگ کا غم کس لئے غیر تباہ میں ہوں پیشہ بہت نہ ہو اور سی  
 تم ہو بہت پھر تمہیں پذیرِ عدائی کیوں ہے تم خداوندی کھلاؤ خدا اور سی  
 کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے و غظ غلبہ بھی باغ ہے خیر آب دہوا اور سی  
 محکومہ و دوا کہ جسے کھلے نہ پانی مانگوں زہر کچھ اور سی آب بہت اور سی  
 تیرے کوچہ کا ہے نال دلِ مضطرب کعبہ اک اور سی قبلہ نما اور سی  
 حسن میں خور سے بڑھ کر نہیں ہے نیک کبھی آپ کا شیوہ داندا زوا اور سی  
 یکوٹ فرد کی دوزخ میں لائیں یا رب سیر کے واسطے تھوڑی ہی تھا اور سی

مجھ سے غلبہ یعلانی نے غزل لکھوائی

ایک بیدا گرِ رنج منہ زور سی

صد جلوہ روبرو ہے جو شرکاں اٹھائیے طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے  
 ہے سنگ پر براتِ معاشِ جنونِ عشق یعنی ہنوز منتِ طعناں اٹھائیے  
 دیوارِ بارِ منتِ مزدور سے ہے غم اسے فائناں خراب نہ احساں اٹھائیے

یا میرے زخمِ رشک کو سوا نہ کیجئے

یا پرین تبسم نہاں اٹھائیے

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہئے ۴۵  
 عاشق ہوئے ہیں آپ ہی الٰہی شخص  
 بھوں پاس آنکھ قبلہ حاجات چاہئے  
 آخر تم کی کچھ تو مکافات چاہئے  
 دے دو اے فلک لہر حسرت پر کی  
 ہاں کچھ نہ کچھ تلافی مافات چاہئے  
 یکے ہیں مہر وں کیلئے ہم مہوئی  
 تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے  
 مے سے عرض نشاط ہے کس دیاہ کو  
 اک گونہ بخودی مجھے دن ات چاہئے  
 ہے رنگِ الہ و گلِ نسیمِ جُدا حب  
 ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے  
 سراپائے خم پہ چاہئے ہنگامِ بخودی  
 روستے قبلہ وقتِ مناجات چاہئے  
 نیکی بحسبِ گردشِ پیمانہ صفات  
 عارف ہمیشہ مست ہے ذات چاہئے

نشو و نما ہے اہل سے غالبِ فرغ کو

خاموشی ہی سے نکلے ہے جوبات چاہئے

بساطِ عجز نہیں تھا ایک لکھ قطرہ خون بھی  
 سورتا ہے بانڈازِ یکیدنِ سرنگوں وہ بھی  
 ہے اس شیخ سے آزر وہ ہم چندے تکلف سے  
 تکلفِ بطون تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی  
 خیالِ مرگ کی بکیریں لے آزر وہ کوئے منہ  
 مے دامِ تمنائیں شاہکِ صیغہ یوں وہ بھی  
 نہ کرتا کاش نالہ جھکو کیا معلوم تھا ہم  
 کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دردوں وہ بھی  
 نہ اتنا بربشِ تیغِ جفا پر ناز نہ راؤ  
 مے دریائے تیابی میں ہے اک مہرِ خون وہ بھی

سے عشرت کی خواہش ساقی کر دے کیا کہے ” لئے بیٹا ہے اک چار جام واٹر گولہ بھی

مے دل زین غالب شوقِ صیل و نکوہ ہجر

خدا وہ دن کہے جو اس یقین بھی کہوں بھی

بہت سی غم گئی شرب کم کیا ہے غلام ساقی کو ترہوں مجھ کو غم کیا ہے

قریب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے

کئے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کھلا دے کوئی بناؤ کہ وہ زلفِ خم بہ خم کیا ہے

لکھا کرے کوئی احکام طالع مولود کے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے

نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا خدا کے واسطے ایسے کہ پھر قسم کیا ہے

وہ داد و دیہ گراں مایہ سہ طے بہم و گریہ ہیلیمان و حسابِ جم کیا ہے

سخن میں فائدہ غالب کی آتش افشانی

یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں کیا ہے

اسنے مَسْتَقِی الضُّر کہا ہے تو سی یہ جی یا حضرت ایوب گلاسے تو سی

بج غطاقت سے سوا ہوتا نبیوں کیونکر ذہن میں خوبی تسلیم و رضا ہے تو سی

ہے غنیمت کہ باسید گزر جائیگی عمر نہ فی داد و گداز جز اسے تو سی

دوست گر کوئی نہیں ہے چکر چار گری نہ سہی ایک تنہا سے دوا ہے تو سی

غیر سے دیکھئے کیا خوب نبھائی اُس نے "نہ سہی ہم سے پُرس بُت میں فاس ہے تو ہی  
نقل کرتا ہوں اُسے نامہ اعمال میں یہ کچھ نہ کچھ روز ازل تنے لکھا ہے تو ہی  
کبھی آجائگی کیوں کہتے ہو جلدی غالب  
شہرہ تیزی شمشیر قصا ہے تو ہی

ہے بزم ہاں میں سخن آزرہ لبوں سے تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے  
ہے دورِ قہج و جہ پریشانی منسب یکبار لگا دو خیمے میرے لبوں سے  
رندانِ درمیکہ گستاخ ہیں زاہد زہار نہ ہوا طرف ان ادبوں سے  
بیدا و وفا دیکھ کر حساب الی تری آہ

ہر چند مری جان کو تھکا رط لبوں سے  
تاہم کوشکایت کی بھی باقی نہ رہے جا مٹ لیتے ہیں گو ذکرِ مہار انہیں کرنے  
غالب تر احوال سنا دینگے ہم ان کو!  
وہ مٹ کے بلا لیں یہ اجارا انہیں کرتے

گھر میں تھکایا کہ ترا غم سے غارت کرتا وہ جو کہتے تھے ہم اک حسرتِ تیر ہے  
غم دنیا سے گرا بی بھی فرصت سر اٹھانے کی فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی  
کھٹے گا کس طرح مضمون کے مکتوب کا یارب قسم کھائی ہے اُس کا فرنے کا نغہ کے جلنے کی

لپٹنا پرنیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے ”وئے مشکل ہے حکمت دل میں زعم چھپانے کی  
 انہیں منظر اپنے زخمیوں کا دیکھ آتا تھا اٹھے تھے سیرِ گل کو دیکھتے شوخی بھانے کی  
 ہماری سادگی نئی التفاتِ ناز پر مرنا تر آنا نہ تھا ظالم مگر تہسید جانے کی  
 لکھ کو بھجوا دے حادثہ کا تحمل کر نہیں سکتی مری طاقت کہ خاسن ہی تو ہے کہ اڑھانے کی

کوں کیا خوبی اوضاعِ انبانے اعلیٰ

ہدی کی اُس نے جس سے ہمنے کی قہارِ باریکی

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ لے آرزو خرامی دل چوہ گر میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی  
 اُس شمع کی طرح ہے جس کو کوئی بجھاوے

میں بھی جلتے ہوں میں ایں داغِ نامامی

لیا تنگ ہم تم زدگاں کا جہان ہے جس میں کہ ایک بغیتِ مورا آسمان ہے  
 ہے کائنات کو حرکت تیسے ذوق سے پر تو ہے آفتاب کے فے میں جان ہے  
 حالانکہ ہے یہ بلی خارا سے لالہ رنگ غافل کو میرے شیشہ پیرے کا گمان ہے  
 کی اُس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا آئے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے  
 کیا خوب تم نے غیر کو بوس نہیں دیا بس چپ ہو ہائے بھٹی میں بان ہے  
 بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوار یا رسیں فرما زو اسے کشورِ ہندوستان سے

ہستی کا اعتبار بھی غم نے ہٹا دیا <sup>۶۹</sup> کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

ہے باسے اعتماد و فاداری اس قدر

غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہ ران ہے

درد سے میرے ہے تھکوتیاری لئے لئے کیا ہوئی ظالم تری غفلت شکاری لئے لئے

تیرے دل میں گزرتا آتشِ غم کا حوصلہ تو نے پھر کیوں کی تھی میری نگہداری لئے لئے

کیوں مری غوارِ گی کا تھکوا آیا تھا خیال دشمنی اپنی تھی میری دوستداری لئے لئے

عمر بھر کا تو نے پیمانہ وفا باندھا تو کیا عمر کو بھی تو نہیں ہے پاداری لئے لئے

زمہ لگتی ہے مجھے آٹھوا سے زندگی یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری لئے لئے

گلشنِانی ہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری لئے لئے

شرمِ رسوائی سے چاہیے تھا خاک میں ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری لئے لئے

خاک میں ناموس پیمانِ محبت مل گئے اٹھ گئی دنیا سے راہِ وسیم یاری لئے لئے

ہاتھی تیغِ آزما کا کام سے جاتا رہا دل پہ اک لگنے نہ پایا زخم کاری لئے لئے

کس طرح کاٹے کوئی شب لئے تارِ برکال ہے نظرِ خود کردہ اختِ شماری لئے لئے

گوشِ مجبورِ پیامِ وحیِ شمعِ محرومِ جہال ایک دلِ سپرِ یہ ناامیدواری ہائے لئے

عشق نے پڑا تھا غالب ابھی خشتِ کارنگ رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری لئے لئے

گشتگی میں عالم ہستی سے پاس ہے "تسکین کو بے نوید کہ مرنے کی آس ہے  
 لیٹائیں مے دل آوارہ کی خبر اب تک ہوتا ہے کہ سیر ہی پاس ہے  
 کچھ بیاں سرورِ پغم کہاں تملک ہر مومر بدن پر زبان پاس ہے  
 ہے وہ غرورِ جن سے بیگانہ دُعا ہر خدا کے پاس دل حق شناس ہے  
 پی جس قدر ملے شہبازِ نبی شراب اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی اس ہے  
 ہر اک مکان کو ہے کیس سے شرفِ آسند

مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اُداس ہے

گر خاموشی سے فائدہ اُٹائے حال ہے خوش ہوں کہ سیری بات بھٹنا محال ہے  
 کس کو نساؤں حسرتِ اطسار کا بگلہ دل فردِ جمیع و خرقِ زباں بائے لال ہے  
 کس پردہ میں ہے آئینہ پر دازاے خدا رحمت کہ عذرِ خواہ لب بے سوال ہے  
 ہے خدا خواستہ وہ اور دشمنی اے شوقِ نفل یہ تجھے کیا خیال ہے  
 شکیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے  
 وحشتِ پیری عرصہ آفاق تنگ تھا دریا زمین کو عسریٰ انفصال ہے

ہستی کے مت فریب میں آجا بیہوش

عالمِ تمام حلقہ دامِ خیال ہے



تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ کھو دو کہ پوچھو  
دلایہ درد و الم بھی تو مغتسم ہے کہ آخر  
ہم نہیں جانتے کہ آؤ نیم شبی ہے  
علی ولی اسد اللہ جانشین نبی ہے  
ایک جا حریف و فالکھا تھا سو بھی مرٹ گیا  
جی جلے ذوق فنا کی نامانی پر نہ کیوں؟  
آگ سے پانی میں بجتے وقت اٹھتی جڑا  
ہر کوئی در ماندگی میں نالہ سے ناپا ہے  
ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ  
جس کے جلوہ سے زیرں تا آسمان شاربے  
مجھے سے مت کہ تو ہمیں کتنا تھا اپنی زندگی  
زندگی سے بھی مزاحی ان نون حیزا ہے

آنکھ کی تصویر سنا ہے کہ پھینچی ہے کہ تا

تجھ پہ کھلیا دے کہ اس کو حسرت دیدار ہے

پہنیں میں گئے تھے ہر کوچہ سے وہ میسے  
مرئی ہستی فضا سے حیرت آباد تنہا ہے  
جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا فقہا ہے  
وہی ہم ہیں نفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے  
اثر فریاد و دل ہائے خریک کس کو بچا ہے  
نہ لالی شوخی اندیشہ تاب رخ نویسی  
کنہ حاجی کہاؤں کو بدلے نہیں دیتے  
خزاں کیا فصل بخل کہتے ہیں کہ کوئی موسم ہو  
وفا سے دلبریں ہے اتفاقی ورنہ سسے ہمدم!  
نہ لالی شوخی اندیشہ تاب رخ نویسی  
کھن افسوس ملنا عہد تجبید تیرا تنہا ہے

رحمِ ظالم کہ کیا بود چراغِ کشتہ ہے <sup>۲۲</sup> نفعِ بیار و وفا و دود چراغِ کشتہ ہے

دل لگی کی آرزو بے بین رکھتی ہے ہیں

ورنہ یاں بے رونقی سود چراغِ کشتہ ہے

چشمِ خواہاں خامشی میں بھی نوا پر داز ہے سرسبز تو کہو سے کہ دودِ شمشاد آواز ہے

پیکرِ مشاق سازِ طائرِ ناساز ہے نالہ گویا گردشِ ستارہ کی آواز ہے

دستِ نگاہِ دیدہ خوباںِ محبوں دیکھنا

یک بیا بیاں جلوہ گلِ فرشِ پا انداز ہے

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی میری وحشت تری شہرت ہی سہی

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی اے وہ مجلس میں فطرت ہی سہی

ہم ہی دشمن تو نہیں ہیں اپنے غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو آگئی اگر نہیں غفلت ہی سہی

عمرِ چنید کہ ہے برقِ حلالم دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم کوئی ترک و ترک کرتے ہیں نہ سہی عشقِ مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلکِ نا انصاف آہ و فریاد کی خصیت ہی سہی

ہم بھی تبسم کی خوڈالیں گے<sup>۴۳</sup> بے نیازی تری عادت ہی ہی

یار سے چھڑ چلی جائے اسد

گر نہیں وصل تو حسرت ہی ہی

ہے آرزیدگی میں کوہش بجا مجھے صبح وطن ہے خندہ دنداں بنا مجھے

دھونڈتے رہتے اس معنی آتش نگر کو بجی جس کی صدا ہو جلوہ برق فنا مجھے

مبتلائے کڑوں ہوں رہ وادی خیال تاباں گشت سے نہ رہے نہ دعا مجھے

کرتا ہے بیکر بارغیس تو بے جایاں آنے لگی ہے بکھرت گل سے حیا مجھے

کھٹا کسی پیکریوں مرے دل کا معاملہ

شعروں کے انتخاب نے سزا کیا مجھے

زندگی اپنی جب اسٹل سے گزری غائب ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ حصار کھتے تھے

اُس زمیں میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے بیٹھا ہا اگرچہ اشارے ہوا کئے

دل ہی تو ہے سیاستِ برباں سے ڈر گیا میں اور جاؤں بس سے تیرے بن صدا کئے

رکھتا پھڑپھڑ ہوں خرقہ و جادہ رہن گئے مدت ہوئی ہے دعوتِ آبِ ہوا کئے

بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو گرچہ غیر خضر حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھیں کہ ایسے تم تو نے وہ گنج ہائے گرانما یہ کیا کئے

کس روز تبتیں نہ ترا شکستے عدو " کس دن ہائے سر پہ نہ آئے چلا گئے  
 صحبت میں غیر کی نہ پڑی کہیں یہ تو دینے لگا ہے بوسہ بنیہ التجا کئے  
 ضد کی ہے اور بات مگر تو بڑی نہیں بھولے سے اس نے نیکوڑوں سے ڈلائے  
 غالب تہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا  
 مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

رقبا عشر قطع رہ اضطراب ہے اس نال کے حساب کو برق آقا ہے  
 مینا کے مے ہے سرو نشاط بہار سے بال تدر و بلوہ سو بے شراب ہے  
 زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا لے بھاگنے کی گوں نہ قناعت کی تا ہے  
 جادو بادہ نوشی رنداں شے شہت غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے  
 نظارہ کیا حریف ہو اس برق حسن کا جوش بہار جلوہ کو جس کی نقاب ہے  
 میں نامراد دل کی تسنی کو کیا کروں مانا کہ تیرے رخ سے مجھ کا میا ہے

گزار است در سرت پیغام یار سے

قاصد پہ مجھ کو رشک سوال و جواب ہے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر شکلائے ہے میں اُسے دیکھوں بھلا کہ مجھ سے دیکھا جائے ہے  
 ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گرا ندیش میں ہے اب گیتہ تندی صبا سے کچھ لاجا ہے ہے

غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے<sup>۵۵</sup> گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرا جائے ہے  
 شوق کو بیزیت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبر جائے ہے  
 لاؤ چشم بدتری چشم طرب سے واہ واہ نغمہ ہو جاتا ہے اس گزالہ میرا جاتے ہے  
 گرچہ ہے طرز تغافل پر وہ دابر راہِ عشق پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جاتے ہے  
 اُسکی بزم آرائیاں سن کر دل رنجور پیاں مثلِ نقشِ مُدعاۓ غیر بیٹھا جاتے ہے  
 ہو کے عاشق وہ پری مَنج اور نازک بن گیا رنگ کھلتا جاتے ہے جتنا کہڑا جاتے ہے  
 نقش کو اُس کے حضور پر بھی کیا کیا ناز ہیں کھینچتا ہے جگر رُشنا ہی کھینچتا جاتے ہے  
 سایہ میرا مجھ سے مثلِ دودھ جاگے ہے اسد

پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہر جائے ہے

گرم فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے تب اماں جبر میں دی بردلیالی نے مجھے  
 نہ یہ نقد و عالم کی حقیقت معلوم لے لیا مجھ سے مری جنتِ عالی نے مجھے  
 کثرتِ آرائی وحدت ہے پرستاری دم کرو یا کافران اصنامِ خیالی نے مجھے  
 ہوں گُل کا تصور میں بھی کھٹکانہ رہا  
 عجب آرام دیا ہے پردہ بولی نے مجھے

کار کا وہستی میں لالہ داغِ سالماں ہے برقی خرمنِ راحت خونِ گرم دھواں ہے

فقیہ تاشقند ابوبکر عافیت معلوم<sup>۲۹</sup> باوجود دل جمعی خواب گل پریشاں ہے  
 ہم سے بچ بیتابی کٹھ اٹھایا جاتے  
 داغ پشت دست عبر شعلہ خشن نماں ہے

اُگ ہے درو دیار سے بزم غالب ہم بایاں میں ہیں اور گھر میں بآرائی ہے  
 سادگی پلاس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے بس نہیں جانا کہ بچہ خیر کف قاتل میں ہے  
 دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میسے دل میں ہے  
 گرچہ کہ کس کس الٹی سے ملے بایں ہم ذکر میرا اٹھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے  
 بس جو ہم نا اُمیدی خاک میں مل جائیگی یہ جو اک لذت ہماری سی ہے حال میں ہے  
 بچ رہ کیوں کھینچے دامانگی کو عشق ہے اُنہ نہیں تکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے  
 جلوہ زار آتش و دوزخ ہمارا دل سہی فتنہ شور قیامت کس کے آئ بگل میں ہے

ہے دل شوریدہ غالب طلسم بیچ و تاب

رحم کراپی تہا پر کہ کس شکل میں ہے

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی دونوں کو اک ادائیں ضامنہ کر گئی  
 شق ہو گیا ہے سینہ خوشالذت فراق تکلیف پرودہ داری زخم جگر گئی  
 وہ بادہ شبانہ کی سرستیاں کہاں؟ اُٹھیے بربک لذت خواب سحر گئی

اُڑتی پھرے ہے خاک مری کئے یاسیں      بلے اب لے ہوا ہوس بال و پر گئی  
 دیکھو تو دلفریبی اندازِ نقشب پالا      موجِ خرام یا ربی کیا گل کتر گئی  
 ہر نوا ہوس نے خُن پرستی شہسار کی      اب آبرو سے شیوہ اہل نظر گئی  
 نظارہ نے بی کام کیا داں نقاب کا      مستی سے ہر جگہ تے نئے پچھ گئی  
 فزاؤدی کا نقشہ تو بیکجا برٹ گیا      کل تم گئے کہ ہم یہ قیامت گز گئی  
 مارا زمانہ نے اسد اللہ جاں نہیں

وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

تنکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے      حورانِ خلدیں تری صورت گر ملے  
 اپنی گلی میں بھکونہ کر دین بے قتل      میرے تپے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے  
 ساتی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم      ہر شب پیاری کرتے ہیں سچ قدر ملے  
 تجھ سے کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم      میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے  
 تم کو بھی ہم دکھائیں کہ جنوں نے کیا کیا      فرصت کشائیں غم پہناں سے گر ملے  
 لازم نہیں کہ حضری ہم سپردی کریں      جانا کہ اک بزرگ ہیں ہم سفر ملے

اے سائنانِ کوچہ دلدار دیکھنا

تم کو کہیں جو غالب آشفہ سر ملے

۵۱۳۸۷



کوئی دن گز نہ گانی اور ہے اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے  
 آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں؟ سوزِ غمہائے نہانی اور ہے  
 بار بار دیکھی میں اُن کی بخشش! پر کچھ اب کے سرگرائی اور ہے  
 دیکھے خطِ منہ دکھیتا ہے نامہ بر کچھ تو بیعتِ ہم زبانی اور ہے  
 قاطعِ اعمار ہیں اکثرِ نجوم وہ بلائے آسمانی اور ہے  
 ہو چکیں غالبِ بلائیں سب تمام  
 ایک مرگ ناگسائی اور ہے

کوئی اُسیبِ بر نہیں آتی کوئی صورتِ نظر نہیں آتی  
 موت کا ایک دن معین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی  
 آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی  
 جانتا ہوں ثوابِ طاعتِ زہ پر طبیعتِ ادھر نہیں آتی  
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چُپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی  
 کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں میری آواز گز نہیں آتی  
 داغِ دل گز نظر نہیں آتا تو بھی اسے چہرہ گز نہیں آتی  
 ہم وہاں ہیں ہمارے ہکوبی کچھ ہماری خیر نہیں آتی



مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی "موت آتی ہے پر نہیں آتی

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب

شرم تم کو مگر نہیں آتی!

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟ آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

ہم ہیں شقائق اور وہ سینرآ یا الٰہی یہ ماحبر کیا ہے؟

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ مٹا کیا ہے؟

جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟ غمزدہ و عشوہ واد کیا ہے؟

شکُنِ زلفِ سنبری کیوں ہے؟ بچہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے؟

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟ ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے؟

ہاں بھلا کہ ترا بھلا ہو گا اور درویش کی صدا کیا ہے؟

جانِ تم پر نثار کرتا ہوں میں نہیں جانتا دعا کیا ہے؟

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب

مُفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے؟



describing  
how faith in  
the word of God  
in words

جلوہ پھر عین ناز کرتا ہے <sup>۸۱</sup> روبرو بازار جاں سپاری ہے  
پھر اسی بے وفا پر مرتے ہیں پھر وہی زندگی ہماری ہے  
پھر کھڑا ہے در عدالت تاز <sup>۸۲</sup> گرم بازار فوج باری ہے  
ہو رہا ہے جہان میں جیسہ زلف کی پھر شہ تہ داری ہے  
پھر دیا پارہ جگر نے سوال ایک فریاد آہ و زاری ہے  
پھر ہوئے ہیں گواہ قسطلب اشک باری کا حکم جاری ہے  
دل دھڑکاں کا جو دمہ تھا آج پھر اس کی دیکھاری ہے

نہ بخودی بے سبب نہیں غالب

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

جنوں تمت کشتیں نوگرش دمانی کی نک پاش غرائش لہ لذت زندگانی کی  
کشکش لئے ہتی کے کرے کیا سعی آزادی ہوئی زنجیر موب آب کو فرصت روانی کی

پس از مردن بھی دیوانہ زیا نگاہ بھلاں ہے

شرار رنگ نے تربت پیری گلفشانی کی

نکوش ہے سزا فریادی بیداد دہر کی مبادا خندہ دندان نما ہوج محشر کی  
رگ لیلی کو خاکِ شبت مجنوں ریشگی بخشے اگر بونے بجائے داندہ قہاں نوک نشتر کی

پر پروانہ تناید باد بان گشتی سے تھا <sup>۸۲</sup> ہوئی مجلس کی گری سے روانی دورِ سافر کی  
کروں بیدارِ ذوق پر قفانی عرض کیا قدرت کہ طاقت اُڑ گئی اُڑنے سے پہلے سیرِ شہر کی  
کہاں تک روؤں سکے خیمہ کے چھپے قیامت ہے

مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوا پتھر کی

بے اعتدالیوں سے بک سب میں ہم ہوئے جتنے زیادہ ہو گئے اُتے ہی کم ہوئے  
پنہاں تھا دواہم سخت قریب آشیان کے اُڑنے نہ پاتے تھے کہ گرفتِ راحم ہوئے  
ہستی ہماری اپنی فنا پر لیس ہے یاں تک بسنے کہ آپ ہی ابھی قسم ہوئے  
سخنی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر! وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے  
تیری وفا سے کیا ہوتا فانی کہ وہ میں تیرے سوا بھی ہم یہ بہت سے تھے ہوئے  
لکھے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاں ہر خنیاں میں ہاتھ ہمارے ظلم ہوئے  
اللہ رے تیری تندیِ خو جس کے ہم سے اجڑائے مالِ دل میں مرے رزقِ حق ہوئے  
اہلِ ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ عشق جو پاؤں اٹھ گئے وہی ان کے ظلم ہوئے  
نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے جو واں نہ کچھ سکے سودہ یاں کے دم ہوئے

خند چھوڑی اسلحہ نہ ہم نے گدائی میں لگی

سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

جو نقد داغ دل کی کرے غلغلہ پاسبانی <sup>۸۳</sup> تو فکری نہاں ہے بہ کین بے زبانی  
 مجھے اُس سے کیا توقع بہ زمستانہ جوانی کبھی کو دکھی ہیں جس نے نہ سنی مری کمانی  
 یونہی دکھی کسی کو دنیا نہیں خوب ورنہ کہتا

کہ مرے غم کو یارب ملے میری زندگانی

ظلمت کدہ میں سیئے عینیم کا جوش ہے اک شمع ہے دلیل سحر و جوش ہے  
 نہ مژدہ وصال نہ نظارہ جمال بُدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے  
 مے نے کیا ہے جن خود آرا کو بے حجاب اسے شوق اہل اجازت تسلیم و جوش ہے  
 گوہر کو عقدہ گردن خواہاں میں دیکھنا کیا اون پرستارہ گوہر فروش ہے  
 دیدار بارہ حوصلہ ساقی نگاہ مست بزم خیال میکدہ بے خروش ہے  
 اے تازہ واردانِ بباط ہوائے دل ق زہنا را گر تہیں ہوں نئے فروش ہے  
 دیکھو مجھے جو دیدہ عبتہ رنگاہ ہو میری سنو جو گوش نصیحت نبوش ہے  
 ساقی بکلوہ دشمن ایساں و آگئی مطرب بہ نغمہ رہن گین و جوش ہے  
 یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بباط دامان باغبان و کھن کلفروش ہے  
 لطفِ خرام ساقی و ذوقِ صدا سے چنگ یجنت نگاہ وہ فروش گوش ہے  
 یا صبح دم جو دیکھئے اگر تو بزم میں نے وہ سرور و سوز نہ جوش و فروش ہے

دربغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی <sup>۴۴</sup> اک شعہ رہ گئی ہے سو وہ بھی نمودار ہے  
 آتے ہیں غیب کے یہ ضایں خیال میں  
 غالب ہر پر غامہ نوائے سرور ہے

اکہ مری جان کو قرار نہیں ہے طاقت بیدار انتظار نہیں ہے  
 دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بلے نشہ باندا زہ خمار نہیں ہے  
 گر یہ نکالے ہے تری بزم سے جلوہ ہائے کدو نے پہ اختیار نہیں ہے  
 ہم سے بحث ہے گمان بخش خاطر خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے  
 دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے معانی غیر گل آئینہ بہار نہیں ہے  
 قتل کا میرے کیا ہے عہد ہائے داسے اگر عہد استوار نہیں ہے

تو نے قسم کٹی کی کھائی ہے غالب

تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

ہجوم غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے کہ تار داس و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے  
 رونے زخم سے طلب ہے لذت زخمِ سوزن کی بھیجیوت کہ پاس دے دیوانہ غافل ہے  
 وہ گلِ جنت میں جلوہ فرمائی کرے لعل  
 چمکنا غنچہ و گل کا صدائے خندہ دل ہے

پاہ دامن ہو رہا ہوں بیکیں صحرا نورد<sup>۸۵</sup> خار پاہیں جو ہر آئینہ زانو مجھے  
دیکھنا حالت مجھے دل کی ہم آغوشی کے وقت ہے نگاہ آشتیا سے اس جہر ہو مجھے

ہوں سرابا نازا ہنگام نکایت کچھ نہ پوچھ

ہے یہی ہنر کہ لوگوں میں نہ چھپے تو مجھے

جس بزم میں قناتے گفتار میں آدے جاں کالبد صورت دیوار میں آدے  
سایہ کی طرح ساتھ پھریں سرد صنوبر تو اس قدر دلکش سے جو گلزار میں آدے  
تب نازگراں مانگی عشق تجھ سے جب بخت جگر دیدہ خونبار میں آدے  
دے تجھ کو نکایت کی اجازت کہ ستارے کچھ تجھ کو مزاحیہ مرے آزار میں آدے  
اُس چشمِ فوجِ محکمہ کا اگر پاسے اشارہ طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آدے  
کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یاد اک آبلہ پاوا دی پر خار میں آدے  
مرجاؤں نہ کیوں رشک سے جب تن نازک آغوشِ حشم حلقہ زنا میں آدے  
نازک زنا موس نہ ہو گر ہوس زرا کیوں شاہدِ گل بارغ ہے زار میں آدے  
تب چاک گریاں کا مزا ہے لالہ لب جب اک نفس اجماع ہوا ہر تار میں آدے  
آتشکدہ ہے سینہ مرار از نہاں سے لے وائے اگر معرضِ اظہار میں آدے  
غبنینہ یعنی کاظم اس کو سمجھے جو لفظ کہ غالب مجھے اشعار میں آدے

حُسن نہ گرچہ ہنگام کمال اچھا ہے      اُس سے میرا سر غور شیواں اچھا ہے  
 بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر خطہ نگاہ      جی میں کہتے ہیں کہ مُفت کتے تو ال اچھا ہے  
 اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا      ساغر جم سے مرا حجام سفال اچھا ہے  
 بے طلب دیں تو مزا اس میں ہوا ملتا ہے      وہ گدا جس کو نہ ہو غصے سوال اچھا ہے  
 دیکھتے پاتے ہیں مُشا ق توں سے کیا نصیب      اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے  
 اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے رونق مُند پر      وہ سمجھتے ہیں کہ پیار کا حال اچھا ہے  
 ہم سخنِ تیشہ نے فرما دیکو شیریں سے کیا      جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے  
 قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو بھٹے      کام اچھا ہے وہ جب کا کہ سال اچھا ہے  
 خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز      شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن

دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

نہ ہوئی گرمی مرنے سے تسلی نہی      استحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہی  
 خار خارِ الم حُسر بہ دیدار تو ہے      شوقِ گلچیرِ گلستانِ تسلی نہی  
 مے پر تاں غم مے مُند سے لگنے ہی بنی      ایک دن گرنہ ہوا بزم میں ساتی نہی  
 نفقہ نہیں کہ ہے چشمِ و چراں صبرا      گر نہیں شمعِ سیہ خانہ سلیلی نہی



ایک ہنگامہ پہنچو تو فتنہ ہنگامہ کی وقت  
نہ تماش کی تماشہ صمد کی پروا  
نوحہ غم ہی سہی نشتاری نہ سہی  
گر نہیں ہیں مئے شہاد میں سہی نہ سہی

عشرت محبت خواہاں ہی غنیمت سمجھو!

نہ ہوئی غالب اگر عطر طبعی نہ سہی

عجب نشاط سے جلاو کے چلے ہیں ہم آگے کہ اپنے سایہ سر اداں سے ہر دو قدم آگے  
فضلانے تاج مجھے پا ہا خراب یاد الفت فقط خراب لکھا ہیں نہ چل سکا قلم آگے  
غم زمانہ نے بھاری نشاط عشق کی سستی و گرنہ ہم ہی اٹھاتے تھے لذت الم آگے  
خدا کے واسطے واداس جزون شوق کی دینا کہ اُس کے در پہ پہنچتے ہیں نہ رہے ہم آگے  
یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی میں تھیں تمہارے آئیو اسے طرہ ہائے غم جہم آگے  
دل و جگر میں پر افشاں ہوا ایک موجبِ خوئے ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے لکڑی آگے

قسم خازنہ پہ آنے کی سیئے کھاتے ہیں لعل

ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

شکوہ کے نام سے بے مزہ تھا ہوتا ہے یہ بھی مت کہہ کہ جو کہنے تو گلا ہوتا ہے  
پڑہوں میں شکوہ سے دل اک جیسے باجہ اک ذرا چھیرے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے  
گو سمجھتا نہیں چرخِ سن تلافی دیکھو! شکوہ جو رسے سرگرم جفت ہوتا ہے

عشق کی راہ میں سچے چرخِ ملکب کی چال      سست رویے کوئی آبد پا ہوتا ہے  
 کیوں نہ ٹھہریں ہن ناوک بیدا کہ ہم      آپ اٹھلاتے ہیں گزیر خطا ہوتا ہے  
 خوب تما پھلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ      کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے  
 نالہ جاتا تھا پر سے عرش سے میرا اور اب      لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے  
 خامہ میرا کہ وہ ہے بارِ بزمِ سخن      شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے  
 اسے شہناؤ کو اکب سپا و مہرِ علم!      تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے  
 سات اقلیم کا حاصل جو سزا ہم کیجے      تو وہ لشکر کا ترے نسلِ بہا ہوتا ہے  
 ہر مہینہ میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال      آستان پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے  
 میں جو گستاخ ہوں آئینِ غرغخوانی میں      یہ بھی تیرا ہی کرمِ ذوقِ فرا ہوتا ہے  
 رکھو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں ناث

آج کچھ دردِ میرے دل میں بوا ہوتا ہے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے      تمہی کو! کہ یہ اندازِ گفت گو کیا ہے  
 نہ شہد میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا      کوئی تاؤ کہ وہ شوخِ شبنمِ خویا ہے  
 یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخنِ تم سے      وگرنہ خوفِ بد آموزیِ عد کیا ہے  
 چپک رہا ہے بدن پر لوسے پیسہ راہن      ہماری جیب کو اب حاجتِ نو کیا ہے

۹۰  
 اے جسمِ جاں دل ہی جہل گیا ہو گا !  
 کر دیتے ہو جواب را کہ جس تو کیا ہے  
 رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل  
 جب آنکھ ہی سے نہ چکا تو پھر لو کیا ہے  
 وہ چیز جس کے لئے ہم کو بو بہشت عزیز  
 سوائے بادۂ کلفت ہم مشک بو کیا ہے  
 پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار  
 یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سب بو کیا ہے  
 رہی نہ طاقتِ گفت را در اگر ہو بھی  
 تو کس امید پہ کیے کہ آرزو کیا ہے

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھر ہے ہا اتراتا

وگر نہ شہ میں غالب کی آبرو کیا ہے

میں انہیں چہیزوں اور کچھ نہ کہیں  
 چل نکلتے جوئے پتے ہوتے  
 فہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو  
 کاشکے تم مرے لیے ہوتے  
 میری قسمت میں غم گرا تنا تھا  
 دل بھی یارب کئی دے ہوتے

آہی جاتا رہ راہ پر غالب

کوئی دن اور بھی جسے ہوتے

غیر لبِ نفل میں بوسے حجام کے  
 ہم رہیں یوں تشنہ لبِ پیغام کے  
 خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ  
 ہستکندے ہیں چرخِ نیلی فام کے  
 خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہو  
 ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

۹۰  
 رات پنی زخم پر مے اور صبر دم  
 دھوئے دجے تباہہ احرام کے  
 دل کو آنکھوں نے پھنسا یا کیا مگر یہ بھی حلقے ہیں تہاے دام کے  
 شاہ کی ہے غل صحت کی خبر دیکھئے کب دن پھرں خام کے  
 عشق نے غالبِ نکتا کر دیا!

ورنہ ہسم بھی آدمی تھے کام کے  
 پھر اس انداز سے ہمارا آئی کہ ہوتے ہر دمہ تاشانی  
 دیکھو اے سالکانِ خطہ خاک! اس کو کہتے ہیں عالم آرائی  
 کہ زمیں ہو گئی ہے سترِ ستر رُکشِ سطحِ سپرِخِ مینائی  
 سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی بن گیا روئے آب پر کائی  
 سبزہ و گل کے دیکھئے کیلئے چشمِ زگس کو دی ہے مینائی  
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر بادہ نوشی ہے یادِ پیائی  
 کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب

شاہِ دیندار نے شفا پائی  
 تقاضِ درست ہوں میرا دماغِ غرِ عالی ہے اگر ہلوتی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے  
 رہا آباد عالمِ اہلِ بہت کے نمونے سے بھرے ہیں جس قدر جامِ دہوِ نیا خالی ہے

کب وہ سنتا ہے کہانی میری <sup>۹۱</sup> اور پھر وہ بھی زبانی میری  
 خلش غمزہ خونیز نہ پوچھے دیکھ خونناہ نشانی میری  
 کیا یاں کر کے مراد میں گیار مگر آشفٹ بیانی میری  
 ہوں زخود رفتہ پیلے خیال بھول جانا ہے نشانی میری  
 متقابل ہے مقابل میرا زک گیا دیکھ روانی میری  
 قدر سنگ ہر وہ رکعت ہوں سخت ارزاں ہے گرائی میری  
 گرد پاؤں رو بیتابی ہوں ضرر شوق ہے بانی میری  
 دہن اُس کا جو نہ معلوم ہوا کھل گئی پیچیدائی میری

کر دیا ضعف نے عاجز غالب

ننگ پیری ہے جوانی میری

نقش نازبٹ طناز باغوش رقیب پاسے طاؤس ہے حسرتہ المانی مانگے  
 تودہ بدخو کہ تمسیر کو تماشا جانے غم وہ انسانہ کہ آشفٹ بیانی مانگے  
 وہ تپ عشق تناسل ہے کہ پھر صورت شمع  
 شعلہ تابن جن جگر ریشہ دوانی مانگے

گلشن کو تری صحبت از بیکہ خوش آئی ہے ہر غنچہ کا گل ہونا آغوش کُشانی ہے

۴۰  
واں کنگر ہتغا ہر دم ہے بت دی پر "یاں نالہ کو اور اُنا دعوائے رسائی ہے

ازبکہ کھاتا ہے غم ضبط کے اندازے

جو دانِ نظر آیا اک چشم نہائی ہے

جس زخم کی ہو سکتی ہو تب سیرِ رُفُو کی لکھدیو یا رب اُسے قسمت میں عدو کی  
اچھا ہے سرانگشتِ حسالی کا قصور دل میں نظر آتی تو ہے اک بوندِ لُٹو کی  
کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے چوگی سے یاں تو کوئی سنتا نہیں سیریا دکنو کی  
دشمن نے کبھی مُنہ نہ لگایا ہو جگر کو خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

صدِ حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب

حسرت میں ہے ایک بُتِ عربہ جو کی

سیما بپُشتِ گرمی آئینہ دے کہ ہم حیراں کیے ہوئے ہیں دلِ بیقرار کے

آغوشِ گل کشودہ برائے دواں ہے

اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

میں وصل و حُجرتِ المکین و ضبط میں مستوقِ شوقِ دیوانہ چاہئے

اُس لب سے لہجہ جا بجا بوسہ کبھی تو ہاں

شوقِ فضول و حُجرتِ رندانہ چاہئے

چاہئے اچھوں کو جتنا چاہئے <sup>۹۲</sup> یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہئے  
 صحبت رنداں سے واجبے ہنذر جاتے مے اپنے کو کھینچا چاہئے  
 چاہئے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل بائے اب اس سے بھی سمجھا چاہئے  
 چاک مت کر حبيب بے ایام گل کچھ ادھر کا بھی اشار چاہئے  
 دوستی کا پردہ ہے بیگانگی منہ چھپانا ہم سے چھوٹا چاہئے  
 دشمنی نے میری کھویا غیبر کو کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہئے  
 اپنی رسوائی میں کیا چسکتی ہے سی یار ہی ہنگامہ آرا چاہئے  
 منحصر مرنے پر جوں کی اُسید نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہئے  
 غافل ان مصلحتوں کے واسطے چاہئے والا بھی اچھا چاہئے

چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسل

آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے

ہر قدم دوری منزل سے نکالیاں مجھ سے میری رفتار سے جاگے ہے بایاں مجھ سے  
 درس عنوانِ تہناتِ بختِ غل خوشتر ہے نگہ رشتہ شیرازہِ مہرگاں مجھ سے  
 دشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں صورتِ دُورِ ماسایہ گریزاں مجھ سے  
 غمِ عشاق نہ ہوسادگی آموز بُتوں کس قدر خانہ آئینہ ہے دیراں مجھ سے

اثرِ آبلہ سے جبادہ صحرائے جنوں صورتِ رشتہ گوہر ہے چراغاں مجھ سے  
 بیخودی بستہ تہنید فراغت ہو جو پُرسہ سایہ کی طح میرا شہستان مجھ سے  
 شوق دیدار میں گر تو مجھے گردن مائے ہونگہ مثل گلِ شمع پریشاں مجھ سے  
 یکسی ہائے شبِ ہجر کی وحشت ہے ہے سایہ خورشید قیامت میں ہے نہاں مجھ سے  
 گردشِ ساغرِ صدفِ جلوہ نگیں تجھ سے آئینہ داری یک دیدہ حیراں مجھ سے  
 نگہِ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد

ہے چراغاں خس و خاشاکِ گستاں مجھ سے

محنتِ پیس ہے غمِ دل اُسکونائے شب نے کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے  
 میں ہلاتا تو ہوں اُس کو مگر اسے جذبہ دل اُس پہن جٹائے کچھ ایسی کہ بن آتے نہ بنے  
 کیل سمجھا ہے کہیں محوِ شے بھول نہ جائے کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے  
 غیر بھرتا ہے لئے یوں تے خط کو کہ اگر کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے  
 اس نزاکت کا بڑا ہودہ بھلے ہیں تو کیا ہاتھ آویں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے  
 کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کی ہے پردہ چھوڑا ہے وہ اُس کے اکٹھائے نہ بنے  
 موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے غم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو ہلائے نہ بنے  
 بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے



عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غلبہ!

کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجے

چاک کی خواہش اگر وحشت بھریانی کرے      صبح کے مانند زخم دل گریبانی کرے  
جلوہ کا تیرے وہ عالم ہے کہ گریجے خیال      دیدہ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے  
ہے شکتی سے بھی دل نو میدا رب کب تک      آہنگی نہ کوہ پر عرض گراں جانی کرے  
میکدہ اگر خیمہ مست ناز سے پائے شکست      مئے شیشہ دیدہ سائے کی مرثانی کرے  
خط عارض سے لکھائے لہن کو الفت نہ ہمد

یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

وہ آکے خواب میں تکیں خطر اب تو دے      طے تجھے ہوش دل مجال خواب تو دے  
کرے ہے قتل لگاؤ میں تیرا رو دینا      تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے  
دکھا کے جنبش اب ہی تمام کر ہم کو      نہ دے جو بوتہ منہ سے کہیں جواب تو دے  
پلائے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے      پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے  
اسد خوشی سے مئے ہاتھ پاؤں پھول گئے

کہا جب بس نے ذرا میرے پاؤں اٹبے

تپش سے میری وقف کش ہر تار بستر ہے      مرا سرخ بالیں ہے مزان بار بستر ہے

سرسبک سرسبز اورادہ نورالعین دامن ہے      ذل بے دست دیا افتادہ برغوردار بستر ہے  
 خوشا اقبال رنجوری عیادت کو تم آئے ہو      فردن شمع بائیں طالع بیدار بستر ہے  
 بہ طوفاں گاہِ جوش اضطراب شام تنہائی      شعلہ آفتاب صبح محشر تار بستر ہے  
 ابھی آئی ہے بولاش سے لگی زلفِ شکلیں کی      ہماری دید کو خواب زلیخا عابر بستر ہے

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یارِ غالب

کہ بیانی سے ہر اک تار بسترِ غار بستر ہے

خطر ہے رشِ الفت رگ گردن نہ ہو جائے      غور و دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے

سمجھ اس فصل میں کوتاہی نہ تو دماغِ غالب

اگر گلِ سرو کی ناست پہ سپر پہن ہو جا

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے      نالہ پا بند نے نہیں ہے

کیوں بوتے ہیں باغبان تو بے      گربان گدائے میں نہیں ہے

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے      پر تجھی کوئی شے نہیں ہے

ہاں کھایو مست فریبِ ہستی      ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

شادی سے نذر کہ غم نہ ہو دے      اُردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے

کیوں مرقہِ قدر کرے ہے زام      مے ہے یہ گس کی تے نہیں ہے

۹۰  
ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب

آخر تو کیا ہے اسے نہیں ہے

نہ پونہ مرہم جراحتِ دل کا! کہ اس میں ریزہ اس جزدِ عظم ہے

بہت دنوں میں تعلق تھے پیہ کی

وہ ایک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے مرے ہیں مگر اُن کی تمنا نہیں کرتے

دیرِ پروہ آئیں غیر سے ہے ربطِ نسائی ظاہر کا یہ پروہ ہے کہ پڑ نہیں کرتے

یہ باعثِ نو میدیٰ اربابِ ہوس ہے

غالب کو برا کہتے ہوا چٹا نہیں کرتے

کے بنے بادہ سے لے کسبِ بگِ فروغ خطِ پیالہ سراسر نگاہِ مچھلیں ہے

کبھی تو اس سرِ شوریدہ کی بھی داد ملے کہ ایک عمر سے حسرتِ پرستِ بالیں ہے

بجا ہے گزشتہ نالہ ہائے بلبلِ زار کہ گوشِ گلِ خمِ شبنم سے پنبہ آگیاں ہے

اسد ہے ترع میں چلے وہ فابرائے خدا

مقامِ ترکِ حجابِ دوداعِ تمکین ہے

کیوں نہ تو چشمِ بے تاباں محوِ تفل کیوں نہ ہو یعنی اس بیمار کو نظر رہے پرہیز ہے

مرتے مرنے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی <sup>۹۸</sup> واسے ناکامی کہ اُس کا فرکانہ خیر تیز ہے

عارضہ نکل دیکھ روئے یار یاد آیا السد

جوشِ نعلِ بہاری اشتیاقِ آئینہ ہے

دیا ہے دل اگر اُس کو بشر ہے کیا کہتے ہوا رقیب تو ہونا نہ رہے کیا کہتے

یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن ہے قصاے شکوہ میں کس قدر ہے کیا کہتے

ہے ہے یوں گدہ وہ گدہ کہ کوئے دست کو اب اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہتے

زہے کہ شمع کیوں نے رکھا ہے ہم کو فریب کہ بن کہے بھی انہیں سب خبر ہے کیا کہتے

سمجھ کے کرتے ہیں باز ایں وہ پریش حال کہ یہ کہے کہ سرِ مرگزر ہے کیا کہتے

تہیں نہیں ہے سرِ رشتہ وفا کا خیال ہاے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہتے

انہیں سال پہنچم جوں ہے کیوں لڑیے ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کہتے

حسدِ سزائے کمالِ سخن ہے کیا کہتے ستم ہاے متاعِ ہند ہے کیا کہتے

کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن

سوائے اس کے کہ آشفۃ سر ہے کیا کہتے

دیکھو در پردہ گرم دامنِ افشانی مجھے لگتی وابستہ تن میری عسریانی مجھے

بگلیا تیغِ بنگا و یا رکاسِ بنگِ فداں مرحبا میں کیا مبارک ہے گرا بخانی مجھے

کیوں نہ ہوئے اتفاقی اُس کی خاطر مجھ ہے جاتا ہے محو پر شہاے پہنائی مجھے  
 میرے غمخانی کی قسمت جب رقم ہونے لگی لکھنا ہنجلہ اسباب ویرانی مجھے  
 بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے اس قدر ذوقِ ذوائے مرغِ بستانی مجھے  
 واسے وال بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا لے گیا تھا گو میں ذوقِ تن آسانی مجھے  
 وعدہ آنے کا دیا کیجے یہ کیا انداز ہے تھے کیوں سوچی ہے میرے رُکِ پانی مجھے  
 ہاں نشاطِ آنِ بصلِ باری واہ واہ پھر ہوا ہے تازہ سودا سے غر خوانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی

میرزا یوسف ہے غالبِ یوسف ثانی مجھے

یا دے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے بسجۃً ۱۲۱ ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے  
 ہے کناؤدِ خاطرِ وابستہ و در رہن سخن تعالیمِ تغزلِ ابجدِ حنائی مجھے  
 یارب اس آشفگی کی داؤد کس سے چاہئے رشکِ آسائش پہ ہے زندہ نوکی مجھے  
 طبع ہے شائقِ لذتِ ہائے حسرت کیا کر لو آرزو سے ہے شکستِ آرزو طلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھ سے ہوئے

عشق سے آتے تھے مانعِ ریز صاحب مجھے

حضورِ شاہ میں اہلِ سخن کی آرائش ہے چمن میں خوشِ نوا یاں چمن کی آرائش ہے

قد و گدیز میں قیس و کوہن کی آزمائش ہے جہاں ہم ہیں وہاں دار و سن کی آزمائش ہے  
 کرینگے کوہن کے حوصلہ کا استحال آہر ہنوز اُس خستہ کے نیرے تن کی آزمائش ہے  
 نسیم مصر کو کیا پیر خفا کی ہوا خواہی اُسے یوسف کی بٹے پیر ہن کی آزمائش ہے  
 وہ آیا برم میں دیکھو نہ کہینو پھر کہ غافل تھے شکیت و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے  
 رہے دل میں ہی تیرا چاچا جگر کے پار ہو بہتر غرض شست و بست ناک ننگن کی آزمائش ہے  
 تین کچھ سجدہ و زُتار کے پندے میں گیرانی وفاداری میں شیخ و برہن کی آزمائش ہے  
 پڑا رہے دل دابستہ بتابی سے کیا ماحل مگر پھر تاب زلف پر شکن کی آزمائش ہے  
 رگ و پیس جباتے نہ غم تب بیکھے کیا ہو ابھی تو لمبی کام و دہن کی آزمائش ہے

وہ آئینکے مے گھر و عدہ کیسا دیکھنا غالب

نئے فتنوں میں اب چچ کہن کی آزمائش ہے

کبھی نیکی بھی اسکے جی میں گرا جائے ہے مجھے جفا میں کر کے اپنی یاد شرم جائے ہے مجھے  
 خدا یا جذبہ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے کہ جتا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہے مجھے  
 وہ بدخوا و ریمیری داستان عشق طولانی عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھے  
 اُدھر وہ بدگمانی ہے اور میری ناتوانی ہے نہ پوچھا جاتے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھے  
 سنبھلنے دے مجھے لے نا اسیدی کیا قیامت ہے کہ دامن خیال یا ر چھوٹا جائے ہے مجھے

تکلف بر طرف نظارگی میں بھی نہیں کیکن<sup>۱۱</sup> وہ دیکھا جائے کب تعلیم دیکھا جائے ہے مجھے  
ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے بزرگ عشق میں زخمی نہ بھاگا جائے ہے مجھے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھے

قیامت ہے کہ ہوئے مدعی کا ہمسفر غالب

وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونا جائے ہے مجھے

زبکہ عشق تماشا جنوں علامت ہے کشادہ سب مزہ سبیلی ندامت ہے

نہ جانوں کیونکہ ٹٹے داغ طعن بدعہدی تجھے کہ آئینہ بھی درطہ علامت ہے

بہ پہچ و تاب ہوس ملک باقیست مت توڑ نگاہ عجب ز سر رشته سلامت ہے

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد

جنوں ساختہ و فصل گل قیامت ہے

لاغر آتا ہوں کہ گرتو بزم میں جاؤں مجھے میرا ذمہ دیکھ کر کوئی بتلائے مجھے

کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آجائے رحم واک تلک کوئی کسی جیلے سے پہچانے مجھے

منہ نہ دکھلائے نہ دکھلائے پر بہ انداز عتاب کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی کھلائے مجھے

یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہیں

زلف گر بن جاؤں تو شانے میں الجھاؤں مجھے

باز پیر اطفال ہے دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب روز تماشا مرے آگے

۱۲  
 اک کھیل ہے اور نگاہیاں مرکزِ نیک  
 جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور  
 جز وہ نہیں ہستیِ اشیا مرے آگے  
 گھستا ہے جس میں خاکِ پیہر ہے آگے  
 ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرائے ہوتے  
 مست پوچھ کہ کیا حال ہے میرا تھے  
 توجھ لکھ لکھا رنگ ہے تیرا مرے آگے  
 جاکتے ہو خود بین و خود لاپرواہ کیوں ہیں  
 بیٹھا ہے بُتِ آئینہ میا مرے آگے  
 پھر دیکھئے اندازِ کلِ اثنائی گفتار  
 رکھ دے کوئی پیمانہ و صبا مرے آگے  
 نفرت کا گمان گزے ہے میں شگِ گزرا  
 کیاں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر  
 عاشق ہوں پہ شوقِ فیری ہے مرا کام  
 کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے  
 خوش ہوتے ہیں پر دل میں نہیں جاتے  
 مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلا مرے آگے  
 ہے موجزن بک تازمِ خوں کا ش ہی ہو  
 آئی شبِ ہجران کی تمنا مرے آگے  
 گویا تھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم آ  
 آتا ہے ابھی دیکھے کیا کیا مرے آگے  
 رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ وہم مشرب وہم راز ہے میرا

غالب کے بُرا کیوں کہوا چھامرے آگے

کہوں جو حال تو کہتے ہو نہ عاکتے تمہی کہو کہ جو تمہوں کو تو کیسے کہتے



۱۰۲  
 نہ کہ تو وطن سے پھر تم کہ ہم تنگمیں مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہتے  
 وہ نیشتر سی پر دل میں جب تر جا کے نگاہ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہتے  
 نہیں ذریعہ راحت جراحہ پکاں وہ زخم تنخ ہے جس کو کہ دکشا کہتے  
 چوندی بنے اُس کے نہ بدی بنیہ جو اسنرا کے اُس کو نہ ناسنرا کہتے  
 کہیں حقیقت جا نہکا ہی مرض لکھے کہیں مصیبت ناسازی دوا کہتے  
 کبھی شکایت رنج گراں نشیں کیجے کبھی حکایت صبر گریز پا کہتے  
 رہے نہ جان تو قاتل کو خونہا دیجے کئے زبان تو خنجر کو مر جا کہتے  
 نہیں بگاڑ کو الفت نہ ہو بگاڑ تو ہے روانی روکش دستی ادا کہتے  
 نہیں بہار کو فرصت نہو بہار تو ہے طراوت بہن و خوبی ہوا کہتے

سفینہ جب کہ کناے پر آگنا غائب

خدا سے کیا تم و جو رہنا خدا کہتے

رونے سے او عشق میں میاک ہو گئے دھوئے گئے ہم اتنے کہیں پاک ہو گئے  
 صرف بہائے مے ہوئے آلات میکشی تھے یہی دو حساب میوں پاک ہو گئے  
 رسوائے دہر کو ہوئے آوارگی سے ہم بائے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے  
 کہتا ہے کون نالہ لیل کو بے اثر پرے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

پوچھے ہے کیا جو دوسرا اہل شوق کا! <sup>۱۰۴</sup> آپ اپنی آگ سے نہ دفنا سکے ہو گئے  
 کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلد کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے  
 اس رنگ سے اُنسانی گل اُسے لاس کی نش  
 دشمن بھی جس کو بچھ کے غناک ہو گئے

نشہ ہاں شاداب ناک ساز اسب طرب شیدائے سر و سبز جو بنا برغصہ ہے  
 ہم نشیں مت کہہ کہہ کر ہم کر نہ ہمیش دوست  
 واں تو میرے مال کو بھی اے باغ ہے

عرض ناز شوخی دنیاں برائے خند ہے دعوتِ جمعیتِ احباب جائے خند ہے  
 ہے عدم میں غنچہ محو عبرتِ انجب ہم گل یک جہاں زانو تا مل در قفائے خند ہے  
 کلفتِ افسردگی کو ہمیش بیابانی حرام ورنہ دنیاں و در دل افسردن بئے خند ہے  
 شورشِ باطل کے ہیں جناب نکر و نہیاں  
 دل محیطِ گریہ دلِ آشنائے خند ہے

حسن بے پردہ خریدارِ ستارے جلوہ ہے آئینہ زانوتِ فکرِ اخترانِ جلوہ ہے  
 تاکہ اسے آگئی رنگِ تماشا باحسن  
 چشمِ و اگر دیدہ آغوشِ وداع جلوہ ہے

۱۵  
 بے تک دہان زخم نہ پیداکرے کوئی  
 مشکل کہ تجھ سے راہ سخن واکرے کوئی  
 عالم غبار و حشت مجھوں ہے سرسبز  
 کب تک خیال طرہ لیلہ کرے کوئی  
 افسردگی میں طرب انشائے التفات  
 ہاں در دین کے دل میں مگر جا کرے کوئی  
 رننے سے لے یدیم! ملاست نہ کر مجھے  
 آخر کبھی تو عقدہ دل واکرے کوئی  
 چاکر بگڑے جبہ پیش نہ واہوئی  
 کیا فائدہ کہ عیب کو سوا کرے کوئی  
 محنت جگر سے ہے گہ ہنر شاخ گل  
 تا چند باغبانی صحرارے کوئی  
 نا کامی بنگاہ ہے برقی نظارہ سوز  
 تو وہ نہیں کہ تھمکو تماشا کرے کوئی  
 ہر رنگ فشت ہے صدون گوہر چکست  
 نقصان نہیں جنوں سے جو ڈاکرے کوئی  
 سر پہوئی نہ وعدہ صبر آواز سے عمر  
 فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی  
 ہے دشت طبیعت ایجا دیاس خیز  
 یہ درودہ نہیں ہے جو پیدا کرے کوئی  
 بیکاری جنوں کو ہے سر پیچ کا شغل  
 جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسن فرغ شمع سخن دور ہے اسد

پہلے دل گداخت پیداکرے کوئی

ابن مریم ہوا کرے کوئی  
 میرے دکھ کی دوا کرے کوئی  
 شرع و آئین پر مدار سہی  
 ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

چال جیسے کڑی کان کا تیر <sup>۱۰۹</sup> دل میں ایسے کے جا کرے کوئی  
 بات پرواں زبان کشتی ہے وہ کہیں اور سنا کرے کوئی  
 بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی  
 نہ سناؤ گرا کرے کوئی! نہ کہو گر برا کرے کوئی  
 روک لو گر غلط چلے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی  
 کون ہے جو نہیں ہے حاجت روا کرے کوئی کس کی حاجت روا کرے کوئی  
 کیا کیا خضر نے سکندر سے اب کسے مہنہ کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب

کیوں کسی کا گلا کرے کوئی؟

باغ پا کر خفتانی یہ ڈراتا ہے مجھے سایہ شاب گل افغی نظر آتا ہے مجھے  
 جو ہر تیغ پر سرچشمہ دیکر معلوم میں وہ سبزہ ہوں کہ ہر لب کا تپا ہے مجھے  
 مدعا محو تماشا ہے شکستِ دل ہے آئینہ خانہ میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے  
 نالہ سرمایہ یک عالم و عالم کفِ خاک آسمان بیضہ قمری نظر آتا ہے مجھے  
 زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھاتے تھے  
 دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

روندی ہوئی ہے کوئی شہزادہ کی <sup>۱۰۶</sup> اتنا ہے کیوں نہ خاک سیر رہ گزار کی  
جب اُسکے دیکھنے کیلئے آئیں بادشاہ لوگوں میں کیوں نمود نہ ہوا لہ زار کی

بھوکے نہیں ہیں سیرگشتاں کے ہم ملے

کیونکر نہ کھائے کہ ہوا ہے بہار کی

ہزاروں خوشیوں میں کہ خواہش ہو دم نہکلے بہت نہکلے مے اربان لیکن پھر بھی کم نہکلے  
ڈٹے کیوں سیر اقبال کیا رہ گیا انگی گردن پر وہ نوحں جو چشم سے عمر بھر یوں دسم نہکلے  
نکلنا خلد سے آدم کا سُنے آئے ہیں لیکن بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نہکلے  
بہر مکل مل جائے ظالم تیری قاست کی درازی کا اگر اس طرۂ پُر پہنچ دسہم کا بچ و خم نہکلے  
مگر لکھوائے کوئی اُسکو خط تو ہم سے لکھوائے ہوئی صبح اور گھر سے کان پر کھٹکے نہکلے  
ہوئی اس درد میں سب مجھ سے بادہ آشنائی پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جا ہم جم نہکلے  
ہوئی بن سے توقع خستگی کی داد پانے کی وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیج ستم نہکلے  
محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فریب دم نہکلے  
خدا کے واسطے پردہ نہ کعبہ کا اُمٹا واعظ کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کا فرض نہکلے

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں اعظ

پر امتا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نہکلے

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے  
بے تکلف لے شرابِ حبستہ کیا ہو جائیے  
بیضہ آساننگ بال و پر ہے یہ کتنے  
از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے  
مستی بذوقِ غفلت ساقی ہلاک ہے  
موتِ شرابِ یک مرتبہ خوابِ ناکست  
جز زخمِ تیغِ ناز نہیں دل میں آرزو  
جیبِ خیال بھی ترے اہوں سے پاکست

جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا تیلِ سد

صحرا ہاری آنکھ میں کیمیتِ خاک ہے

لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گوارہِ جنابانی  
قیامت کشتہ اعلیٰ تباہ کا خواب نکلیں ہے  
آبدیلابِ طوفانِ صدا کے آب ہے  
نقشِ پاؤں کاں میں رکھتا ہے اٹھل مٹھل  
بزمِ دشتِ کوہِ کی چشمِ مست کا؟

شیشہ میں جن پر ہی پہاں ہے تیرا ہونست

ہوں میں بھی تماشائی میرنگِ تنہا  
طلسمِ نیل کپڑاں سے کہ طلبِ ہی آئے

سیاحتی جیسے گردِ باد سے دمِ تحریر کا غدا ہے

مری قسمت میں یوں تصویر ہے شہاںِ حیران کی

ہجومِ نالہ حیرتِ عاجزِ عرضِ یکِ نفاں ہے  
خوشیِ ریشہِ تمدنِ تیاں سے ششِ مہِ نال ہے

تکلفِ برطرف ہے جاں تانِ لطفِ بویاں  
نگاہِ سبِ حجابِ نازِ تیغِ تیزِ عسریاں ہے

۱۰۹  
 ہولی کی شربتِ غم سے تلف کی کیفیت شادی  
 بل و دیں نقد لاساقی سے گرسود کیا چاہے  
 کہ اس بازار میں مافر ستابع دست گرداں ہے  
 کہ صبح عید مجکوبہ تراز چاک گریاں ہے

غم آغوشِ بلا میں پرورش دیا ہے عاشق کو

چراغِ روشن اپنا قلم صرصر کا مریاں ہے

خوشیوں میں تاشا ادا نکلتی ہے نگاہِ دل سے تھے سرمہ سا نکلتی ہے  
 نشتر سگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم صبا جو غنچہ کے پرنے میں جان نکلتی ہے  
 نہ پوچھ سینہ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ

کہ زخمِ روزِ ن در سے ہوا نکلتی ہے

جس جاں سیم شائیکش زلفِ یا ہے نامہِ داغِ آج سے دشتِ تار ہے  
 کس کا سرانج جلوہ ہے حیرت کو لے خدا آئینہِ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے  
 ہے ذرہ ذرہ نگہی جا سے غبارِ شوق گرام یہ ہے دعوتِ صحرانکا ہے  
 دلِ مدعیِ دودیدہ ہنسا مدعا علیہ نظارہ کا مقدمہ پھر رویا ہے  
 چھوڑ کے شبنم آئینہِ برگِ گل پہ آب اے عنبرِ لبِ وقتِ دربارِ بہا ہے  
 پکا آپری ہے وعدہ و لہار کی مجھے وہاں سے یا نہ آئے یہاں انتظار ہے  
 بے پردہ سوسے وادیِ مجنوں گزرنے کو ہر ذرہ کے نقاب میں مل بیقرار ہے

اے عنایب یک کف خض ہوا آئیناں ۱۰ طوفان آمد آمدِ فصل بہار ہے  
 دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی اے بے دماغ آئینہ تنال اے ہے  
 غفلت کفیل عمر واسد صامن نشاط  
 اے مرگ ہاگماں بچھے کیا انتظار ہے

آئینہ کیوں نہ دوں کہ نہانا کہیں ہے ایسا کہاں سے لاؤں کہ تعبہ کہیں ہے  
 حسرت نے لا رکھا تری بزم خیال میں ٹکڑے نگاہ سویدا کہیں ہے  
 پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں بخدا انہوں انتظارت کہیں ہے  
 سر پر چوہم دردِ غریبی سے ڈالنے وہ ایک شبت خاک کہ صحر کہیں ہے  
 ہے چشمِ تریں حسرت دیدار سے نہاں شوقِ غناں گسیختہ دریا کہیں ہے  
 درکار ہے شگفتن گلہائے عیش کو صبح بہار پہنچے مینا کہیں ہے  
 غالب بڑا نہان جو واعظ بڑا کہے

ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں ہے

شبِ نیم بگم لالہ نہ خالی ز ادا ہے داغِ دلِ بیدار و نظر گاہِ حیا ہے  
 دلِ خوں شدہ کٹکٹشِ حسرت دیدار آئینہ بہت بہت بہتِ خراب ہے  
 شعلہ سے نہ ہوتی ہوئی شعلہ نے جو کی جی کس قدر افسردگی دل پہ پڑا ہے



تنہا میری ہے وہ شوقی کہ بھڑون<sup>۱۱۱</sup> آئینہ باندا زنگ آغوش کشا ہے  
 قسری کھنکھاس کر بلبل نفس رنگ اسے نالہ انسان جگر بخت کیا ہے  
 خونے تری انسودہ کیا دشت بل کو مشوق دے وصلگی طرہ بلا ہے  
 مجبوری دو عواصے گرفتاری الفت دست نہ رنگ آمدہ پیمان وفا ہے  
 معلوم ہوا حال شہیدان گزشتہ تیغ ستم آسینہ تصویر بنا ہے  
 اسے پرتو خورشید جانا تاباد و مرہمی سایہ کی طرح ہم یہ عجبت تپڑا ہے  
 ناکرہ گناہوں کی ہی حسرت کی ملے داد یارب اگر ان کر وہ گناہوں کی سزا ہے

بیگانگی خلق سے بے دل نہ ہو غالب

کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

منظوری یہ شکل تجلی کو نور کی قسمت کھلی تھے قدور رخ سے غلو کی  
 اک خوشچکلا کھن میں کروڑوں بنا دیں پڑتی ہے اکھتیرے شہیدوں پہ حور کی  
 واعظ نہ تم پیونہ کسی کو پلاس کو کیا بات ہے تمہاری شراب طو کی  
 لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کی کوٹھیا گویا بھی سنی نہیں آواز صور کی  
 آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے غمہ سنج اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیکو کی  
 گوداں نہیں تو واں کے نکالے جتنے دیں کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ڈور کی

کیا فرض ہے کہ سب کچھ ایک سا جواب " آؤ نہ ہم بھی یہ کر کریں کوہ طور کی  
گرمی ہی کلام میں سیکن نہ اس قدر کی جس سے بات اُسے شکایت ضرور کی

غالب اگر اس سفر میں مجھے ساتھ لیے ہیں

جج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے یہ رنج کہ کم ہے مجھے کلفام بہت ہے  
کتے بہت ساتی سے جایا آتی ہے در نہ ہے یوں کہ مجھے ذر و تیر جام بہت ہے  
نئے تیر کلاں میں ہے نہ صیاد کیس میں گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے  
کیا زہر کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ ریائی یاد ایش عسل کی طبع عام بہت ہے  
ہیں اہل خرد کس روش خاص پہنازاں پابستگی رسم و رسم عام بہت ہے  
زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوف حرم سے آلودہ بے جا نہ احرام بہت ہے  
ہے قہر کہ اب بھی نہ بنے بات کہ اُن کو انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے  
خوں ہو کے جگڑا نکھ سے پکانیں لے مرگ رہنے لے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے

شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے جو شمس قدح سے زہم چڑھاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر بگر سخت سخت کو <sup>۱۱۳</sup> عرصہ ہوا ہے دغوت مرزاں کئے ہوئے  
 پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے  
 پھر گرم مالہ بے شہر بار ہے نفس نڈت ہوئی ہے سیر چراغاں کئے ہوئے  
 پھر پریش جراحہ دل کو چلا ہے عشق سامان صد ہزار ٹنگداں کئے ہوئے  
 پھر بھر رہا ہوں خانہ مرزاں بونہل ساز چمن طرازی داماں کئے ہوئے  
 باہر گر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر قریب نظارہ و خیال کا سا ماں کئے ہوئے  
 دل پھر طواف کوئے ملاست کو جانے ہے پندار کا صم کدہ ویراں کئے ہوئے  
 پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب عرض متابع عقل دل و جاں کئے ہوئے  
 دورے ہے پھر ہر ایک نعل و لالہ خیریاں صد گلستاں نگاہ کا سا ماں کئے ہوئے  
 پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کھولنا جاں نذر دلفریبی عنوان کئے ہوئے  
 مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہو بس زلف سیاہ منہ پہ پریشاں کئے ہوئے  
 چاہے ہے پھر کسی کو مستی میں آرزو سر نہ سے تیز دشنہ مرزاں کئے ہوئے  
 اک نوبہ راز کو تاکہ ہے پھر نگاہ چہرہ فروغ مے سے گلستاں کئے ہوئے  
 پھر حویلی میں ہے کہ در پہ کی کے پٹے رہیں سر زیر بار منت و درباں کئے ہوئے  
 جی دھندھتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن بیٹھے رہیں تصور جہانماں کئے ہوئے

غالب ہیں یہ چمیز کہ پھر جوشِ اشک سے  
بیٹھے ہیں ہم تہ تیغ طوفاں کے ہوئے

نورِ ہنس بے بیدار دوست جاں کیلئے رہے نہ طرزِ تم کوئی آسماں کیلئے  
جلائے گرمِ زہ یا رتشنہ خوں ہے رکھوں کپڑائی بھی مڑگانہ پھنچاں کیلئے  
وہ زندہ ہمیں کہیں و شناسِ خلق اے غنجر یہ تم کہ چور بنے عجبِ با وداں کیلئے  
راہِ بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک جلائے جاں ہے ادا تیر لی کیا جاں کیلئے  
فلک نہ دور رکھ اُس سے مجھے کہیں ہی نہیں دراز دستیِ قاتل کے آتھماں کیلئے  
مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر کہے نفس میں فراخِ جنِ آتھماں کیلئے  
گدا سمجھ کے وہ چپ تمام ہی جو سارِ ستار اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں لے پا جاں کیلئے  
بقدرِ شوق نہیں ظربِ تنگنائے غزل کچھ اور چاہتے دمتِ جربیاں کیلئے  
دیبا ہے خلق کو بھی تا اُسے غفلت نہ لگے بنا ہے عیشِ تھلِ حسینِ حساں کیلئے  
زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے عربی باں کیلئے  
نصیرِ دولت و دیں ازمینِ نعت و ملک بنا ہے چرخِ بریں جس کے آتھماں کیلئے  
زمانہ عہد میں اُس کے ہے نورِ آتش نہیں گے اور تائے اب آسماں کیلئے  
ورق تمام ہوا اور مسدود باقی ہے سفینہ چاہتے اس بحرِ بیکراں کیلئے

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے حکمہ مر

جملائے عام ہے یا رانِ نکتہ داں کیلئے

قطعا

اُنھا اک دن گولا باجو میں کچھ خوش ہشت میں      پھر آئید سرگبر گیا تھا جی بیباں سے  
نظر آیا مجھے اک طائرِ محسوسِ پرستہ      چمکتا تھا سرشوریدہ دیوارِ گلستاں سے  
کہا میں نے کہ اونا کام آخرِ ماجرا کیا ہے      پڑا ہے کامِ تمھیں کس سنگِ مگر آفتِ جاں سے  
ہنساکھ کھل کھلا کر پہلے پھر تمھیں جو چھپانا      تو یوں دیا کہ جوئے خوں ہی ہو کھوکھلاں سے  
کہا میں صید ہوں اُسکا کہ جسکے دامِ گیتوں      پہنسا کرتے ہیں طائرِ روزگارِ بغِ غواں سے  
اُسی کی زلف و رخ کا دیان ہے نامِ سحرِ محکو      یہ مطلب کفر سے ہے اوندہ ہے کچھ کامِ ایلاں سے

بچتم غور جو دیکھا مرا جی طائرِ دل تھا

کہ کل کر ہو گیا تھا خاک اپنی آہِ موزاں سے

ہاں اُسے نفسِ یادِ سحرِ شد فشاں ہو      اے دجلہ خوں چشمِ ملائک سے رواں ہو

اے زمرہٴ شمشیرِ پستی پر فشاں ہو      اے ماتیانِ شبِ غمِ غمِ موم کھساں ہو

گجڑی ہے بہت بات بنائے نہیں بستی

اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بستی

تاب سخن و طاقتِ غوغا نہیں ہم کو<sup>۱۱</sup> ماتم میں شہ دیں کہیں سودا نہیں ہم کو  
گھر بچھونکے میں اپنے محابا نہیں ہم کو گر چرخ بھی جہل جائے تو پر دانیں ہم کو

یہ فرگر نہ پایہ جودت سے پاپا ہے

کیا خیمہ شبیر سے رتبہ میں بولے؟

کچھ اور ہی عالم ہے دل چشم و زباں کا کچھ اور ہی نقشہ نظر آتا ہے جہاں کا  
کیسا فلک اور مسر جہاں تاب کہاں کا ہو گا دل بیتاب کسی سوختہ جاں کا

اب ساعقہ و مسر میں کچھ فرق نہیں ہے

گر تانیں اس رو سے کو برق نہیں ہے

### قصیدہ

سازیک ذرہ نہیں نہیں جہن سے بیکار سایہ الازبے داغ سوید اے بہار  
مستی باد صبا سے ہے بحرِ سبزہ ریزہ شیشہ سے جو مسرتِ کھسار  
سبز ہے جامِ زمرہ کی طرح داغِ پنگ تازہ ہے ریشہ نابخِ صفتِ رے شرار  
مستی ابرے گلیمینِ طرب ہے حسرت کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا شمار  
کوہ و صحرا ہمہ سموری شوقِ لب لبال راہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار  
سوچنے ہے فیضِ ہوا صورتِ مژگانِ مہم سرنوشتِ دو جہاں ابریکِ سطرِ غبار

کلاں کرھیں کیے ناخن تو باندا ز بلال " قوت نامیہ اُس کو بھی نہ چھوڑے بیکار  
 کہن ہر خاک جگر دہل شدہ قمری پُراز دام ہر کاغذ آتش زدہ طاؤس شکار  
 سیکڑے میں ہوا گرا زوئے گل چینی بھول جا یک قدح بارہ بھائی گلزار  
 مہون گل دھونڈ بھلا تکرہ غنچہ باغ گم کرے گوشہ میخانہ میں گرتو دستار  
 کھینچے گرا بی اندیشہ تمن کی تصویر سبز مثل خطِ نو خیز ہو خط پر کار  
 لعل سے کی ہے پے زمزمہ حبت شاہ طوطی سبزہ کسا نے سپید امتعار  
 وہ ہمنشاہ کہ جس کی ہے تعمیر سرا چشم جبریل ہوئی قالبِ بخت دیوار  
 فلکِ العرش ہجومِ جنم دوش مزدور رشتہ فیض ازل سازِ طبیب معمار  
 سبزہ نہ بین ویک خطِ پشت لب بام رعب ہمت صمد عارف ویک فرج حصا  
 واں کی ناشاک ہے حال ہو جے یک پرکھ وہ رہے مروحہ ہاں پری سے بیزار  
 خاک صحرائے بخت جو ہر سیرہ زلف چشم نقش قدم آئینہ بخت بیدار  
 ذرہ اس گرد کا نور شدہ کو آئینہ نا گرد اس دشت کی امید کو احرام ہمار  
 آفرینش کو دہاں سے طلب بستی ناز عرض خمیازہ ایجاد ہے ہر مہون غبار

### مطلع ثانی

فیض سے تیسے ہے اسے شمعِ تابان بہا دہل پر دانہ چراغاں پل بس پل گلزار

شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز<sup>۱۸</sup>      ذوق میں جلوہ کے تیرے بہ ہوائے دیدار  
 تیری اولاد کے غم سے ہے بروگردوں      ملک بخت میں میرے نو مشرک و مہر بار  
 ہم عبادت کو ترا نقش قدم مہر ساز      ہم ریاضت کو تے جو صلہ سے استغفار  
 مدت میں تیری نہاں نذر نہ نعت نبی      جام سے تیرے عیاں بادۂ جوش اسرار  
 جو ہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر      یک طرف نازش مژگان و دگر غم غنا  
 مرد مک سے ہو غراخانہ اقبال نگاہ      خاک دو کی ترے جو چشم نہ ہوا آئینہ آ  
 دشمن آل نبی کو یہ طرب خانہ دہر      عرض خمیازہ سیلاب ہو طاقیہ یو آ

دیدہ تادل اسد آئینہ یک پر تو شوق

فیض معنی سے خط ساغر را تم ہر شاد

### قصیدہ

دہر جز جلوہ یکسانی مستحق نہیں      ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہو تا خود میں  
 بے دلی ہائے تاشاک یہ عبرت ہے ذوق      یکی ہائے تنہا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں  
 ہرزہ ہے نغمہ زیر و ہم ہستی و عدم      لغو ہے آئینہ ذوق حبسوں و تکلیں  
 نقش معنی ہمہ خمیازہ عرض صورت      سخن حق بمب پائے ذوق تحسین  
 لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم      دُرِ دریک ساغر غفلت ہے چو دنیا و چو چین



مثل مضمون وفا بادہ بست تسلیم<sup>۱۱۹</sup> صورت نقش قدم خاک بختیں  
 عشق بے رطل شیرازہ اجڑائے حواس وصل رنگارنگ آئینہ خن بختیں  
 کوہ کن گڑنے مزدور طرب گاہ قریب بے ستوں آئینہ خواب گران شیریں  
 کس نے دیکھا بغیر اہل وفا آتش خیز کس نے پایا اثر نالہ دلہائے حزیں  
 ساج زمزمہ اب جہاں ہوں لیکن نہ سرور بگ ستالیش نہ دماغ نفوس  
 کس قدر ہرزہ سرا ہوں کیا ڈالنے یثلم قلم خارج آداب وقت ارتعس  
 نقش لاول لکھ اسے خاصہ ہدیاں تحریر یا علی عصن کر اسے فطرت و سواس قریں  
 مظہر فیض خدا جان و دل ختم رسل قبلہ آل نبی کعبہ ایجاب و ہیبتیں  
 ہووہ سرمایہ ایجاب و جہاں گرم خرام ہر کف خاک ہے واں گردہ تصویریں  
 جلوہ پرداز ہو نقش قدم اس کا جس جا وہ کف خاک ہے ناموس دو عالم کی امیں  
 نسبت نام سے اسکی ہے یہ رتبہ کرسٹ ابد اہشت فلک خم شدہ ناز زینیں  
 فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوئے بد بوئے گل سے نفس باوصب اعطر آگیں  
 برش تیغ کا اسکی ہے جہاں میں چرچا قطع ہو جائے نہ سررشتہ ایجا دگیں  
 کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے رنگ عاشق کی طرح رونق تجا نہ چسپیں  
 جاں پایا دل دجاں فیض سانا شا وصی ختم رسل تو ہے بہ فتو اے یقیں!

جسم اطہر کو ترے دو دشمن پیہ جب نہ رہے  
 نام نہائی کو ترے اوصیہ بخش نگیں  
 کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب  
 شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں  
 آستان پر ہے تھے جو ہم آئینہ نگ  
 رستم بندگی حضرت جب لیل ہیں  
 تیرے در کے لئے اسباب تارا آمادہ  
 خاک یوں کو جو خدا نے نیلے جان دل دویں  
 تیری رحمت کیلئے بہن لہجہ کام و زباں  
 کس سے ہو سکتی ہے مداحی مدوح خدا  
 کس سے ہو سکتی ہے آرائش فردوس بیہیں  
 جس بازار معاصی اسدا نند اسدا  
 کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں  
 شوقی عرض مطالب میں ہے گناہ طلب  
 ہے ترے عرصہ فضل پہ از بس کی تقییں  
 دے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول  
 کہ اجابت کے ہر حرف پہ سوا آئیں  
 غم شہید ترے ہو سینہ یہاں تک لبریز  
 کہ رہیں خون جگر تہ مری آنکھیں نگیں  
 طبع کو الفت و دل میں یہ سرگرمی شوق  
 کہ جہاں تک چلے اس قدم اور مجھے ہیں  
 دل الفت نب و سینہ توحید و رضا  
 نگہ جلوہ پرست و فخر صدق گزین

صرف اعداد اثرت شعلہ دود و دوزخ

وقف احباب گل و نیل فرو دہیں بریں

## قصیدہ ۱۲۱

ہاں میرے نو سنیں ہم اُس کا نام جس کو تو بھگ کے کر رہا ہے سلام  
 دودن آیا ہے تو نظر دمِ سحر یہی انداز اور یہی اندام  
 بارے دودن کہاں رہا غائب بندہ عاجز ہے گردشِ ایام  
 اُن کے حبات کہاں کہ تاروں کا آسمان نے بچھا رکھا تھا دام  
 مر جب اے سروِ حنّاصِ خواص حبا اے نشا طعّام عوام  
 نذر میں تین دن نہ آنے کے لے کے آیا ہے عید کا بیغام  
 اُس کو بھولا نہ چپا ہے کہنا صبح جو حبات اور آئے شام  
 ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا تیرا آفتِ زور اور ترابِ اُخبام  
 را بُردل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے مجھ کو بھجائے کیا کہیں ندام  
 جانتا ہوں کہ آج دُشیا میں ایک ہی ہے اسید گاہِ انام  
 میں نے انا کہ تو ہے حلقہٴ جوش غالب اُس کا مگر نہیں ہے غلام  
 جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو تب کس ہے بطرِ استقام  
 مہرتا ہاں کو ہو تو ہوا بے ماہ! قرب ہر روزہ بر سبیلِ دوام  
 تجھ کو کیا پایہٴ روشناسی کا جُز یہ تقریبِ عیدِ ماہِ صیام

۱۲۲  
 جاننا ہوں کہ اُس کے فیض سے تو پھرینا چاہتا ہے اودتسام  
 ماہ بن ماہتاب بن میں کون مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام  
 میرا اپنا حبِ اعلیٰ ہے اور کے لین دین سے کیا کام  
 ہے مجھے آرزوئے بخششِ غافل گرتھے ہے امیدِ دستِ عام  
 جو کہ بختے گا تجھ کو زلفِ مرغ کیا نہ دیگا ٹھٹھے بے گھٹام  
 جبکہ چودہ من ازلِ سنکی کر چکی قطع تیر سی تیزی گام  
 تیرے پر تو سے ہوں مرغِ پذیر کوے دشکوے صحن و منظرِ دام  
 دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز اپنی صورت کا اک بوریں جام  
 پھر غزل کی روش چسپیل بکلا

تو سن طبع چاہتا تھا لگام

زہرِ عنسم کر چکا تھا سیرِ اکام تجھ کو کس نے کھسا کہ ہو بدنام  
 سے ہے پھر کیوں نہ میں پنے جاؤں غم سے جب ہو گئی ہو زیستِ حرام  
 ہوسہ کیا یہی غنیمت ہے کہ نہ بھمیں وہ لذتِ مُشنام  
 کہ میں جا بجا سینکے نا قوس اب تو باندھا ہے دیر میں احرام  
 اس قدر کا ہے دورِ جھکونفہ پرتش نہ لی جس سے گردشِ دام

۱۲۰  
بوسہ دینے میں اُن کو سب سے اہمکار  
دل کے لینے میں جن کو تھکا ابرام

چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے

کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام

کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ  
اسے پری چہرہ پیک تیر حرام

کون ہے جن کے در پہ ناصیہ ما  
ہیں مہم سر زہرہ و ہرام

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن  
نام شاہنشہ بلند مع نام

قبلہ چشم و دل بہادر شاہ  
منظر ذوالحلال والا کرام

شہسوار طریقہ انسان  
نوبہا حدیث اسلام

جس کا ہر فعل صورت اعجاز  
جس کا ہر قول حسنی السلام

بزم میں میزبان قیصر و بزم  
رزم میں استاد رستم و سام

اے ترالطف زندگی انرا  
اے ترا حمد فرخی فرجام

چشم بد و خسر و انہ شکوہ  
لوحش اندر عارفانہ کلام

جان نثاروں میں تیرے قیصر و بزم  
جرعہ خواروں میں تیرے مرشد و جام

وارث ملک جانتے ہیں سب تجھے  
ایرج و تور و خسر و دہرام

زور بازو میں مانتے ہیں سب تجھے  
گیو و گودرز و بیزن و دہرام

۱۲۴ مرحباً شو شگافی نادک آفریں آبداری مصمصام  
 تیر کو تیرے تیر غیر ہدف تیج کو تیری تیج خصم نیام  
 وعدہ کار ہی ہے کیا دم بند برق کو دے رہا ہے کیا الزام  
 تیرے نیل گراں جہد کی صدا تیرے خوش سبک غناں کا خرام  
 فن صورت گرمی میں تیرا گزر گز رہا تھا جو دست گاہ تمام  
 اس کے مضروب کے سر دہن ہے کیوں فسایاں ہو صورت بد باغام  
 جب ازل میں رقم پذیر ہوئے صفحہ اسے سیالی و ایام  
 اور اُن ادراق میں بجلاکب تقاضا بھلا منہ سج ہوئے احکام  
 لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کش لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام  
 آسمان کو کھا گیا کہیں گنبد تیرے گرد نیلیں تمام  
 حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھیں خال کو دانہ اور زلف کو دام  
 آتش و آب و باد و خاک نے دل وضع سوز و غم و دم و آرام  
 مہر رخشاں کا نام خسرو دروز ماہ تابان کا اسم شمع شام  
 تیری تو تیج سلطنت کو بھی دی بدستور صورت ارتقام  
 کاتب حکم نے ہو جب حکم اُس قسم کو دیا طرہ از بدنام

سے ازل سے روانی آفتاز<sup>۱۲۵</sup> ہوا بد تک رسائی انجہام

### قصیدہ

جسم دروازہ فنا در کھلا مہر عیالستاب کا منتظر کھلا  
 خسرو انجم کے آیات شریں شب کو تما گنجینہ گوہر کھلا  
 وہ بھی تھی اک سیب کی سی نمود صبح کو راز مہر و اختر کھلا  
 ہیں کو اکسب کچھ نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکا یہ بازی کھلا  
 سطح گردوں پر پڑا تحاریرات کو موتیوں کا ہر طرست زیور کھلا  
 صبح آیا جانب شرق نظر ہاک بجگا آتشیں رخسار کھلا  
 تھی نظر بندی کیا چپ رہہ بحر بادہ گل رنگ کا سا غر کھلا  
 لاکے ساتی نے صبور کی کیلئے رکھ دیا ہے ایک جام زکھلا  
 بزم سلطان ہوئی آراستہ کعبہ امن و امان کا در کھلا  
 تاج زریں مہر تاباں سے ہوا خسرو آفتاق کے منہ پر کھلا  
 شاہ روشن دل بہادر شہ کر ہے راز ہستی اس پر ستراسر کھلا  
 وہ کہ جس کی صورت بخون میں مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا  
 وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے عقدہ احکام پینیب کھلا

پہلے وار اکاٹھ آیا ہے نام<sup>۱۶</sup> اس کے سرنگوں کا جب تر کھلا  
 روشناسوں کی جہاں نصرت ہے واں لکھا ہے چہرہ قیصر کھلا  
 تو سن شد میں ہے وہ خوبی کہ جب تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا  
 نقش پاکی صورتیں وہ دلہنیرب تو کے بُت حنائ آذ کھلا  
 جھپ فیض تربیت سے شاہ کی منسوب مہر و مہر کھلا  
 لاکھ عقدے دل میں تجھے لیکن ہر ایک میری حد و وسع سے باہر کھلا  
 تھادل وابستہ تھیں بے کلید کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا  
 بانگ معنی کی دکھاؤں گا ہر لمحہ سے گشتا ہن گشت کھلا

ہو جہاں گرم غزل خوانی نفس

لوگ جانیں طبع غنبر کھلا

کج میں مینار ہوں یوں پر کھلا کاشکے ہوا نفس کا دگر کھلا  
 ہم چکاریں اور کھلے یوں کون جائے یا رکاز وازہ پاویں گر کھلا  
 ہم کو ہے اس راز داری پگھلند دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا  
 واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا  
 ہاتھ سے رکھدی کیل برو کی کہاں کب کسرے غمرہ کے خیر کھلا



۱۳۶  
 مفت کاکس کو بڑا ہے بد رتہ رہ روی میں پردہ رہ بکھلا  
 سوز دل کا کیا کرے باران اشک آگ بھڑکی منہ اگر دم بھر کھلا  
 نامہ کے ساتھ آگیا پیغام مرگ رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا  
 دیکھو غالب سے ابھاگر کوئی!

ہے دلی پوشیدہ اور کافر کھلا

پھر مودحت طرازی کا خیال پھر نہ وخورشید کا دفتر کھلا  
 خاصہ نے پائی طبیعت سے مد بادباں کے اُٹتے ہی نگر کھلا  
 مدح سے مدوح کی دیکھی شکوہ عرض سے یاں ترسہ جو ہر کھلا  
 مہر کا نپا چرخ چپک کھ گیا بادشہ کا رایت لشکر کھلا  
 بادشہ کا نام لیت ہے خطیب اب ملو پایہ برسنبر کھلا  
 مکہ شہ کا ہوا ہے روشناس اب میاں آبروئے زکھلا  
 شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ اب مال سہی اسکت رکھلا  
 ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے اب فریب طفل و سبخر کھلا  
 ہو سکے کیا مدح ہاں اک نام ہے دفتر مدح جہاں داد کھلا  
 فکر اچھی پرستاش ناتمام عجز اعب از تاش کھلا

جاننا ہوں ہے خط لوج ازل<sup>۱۷۸</sup> تم پہ اسے خاقان نام آؤ کھلا

تم کرو صاحبِ رانی جب تک

ہے ظلم روزِ شب کا دکھلا

اس شہنشاہِ فہمِ شہرِ بے مثل و نظیر  
اے بہاندا کریمِ نبیہ وہ بے شبہ بندہ  
پاؤں سے تیرے ملے فرقِ ابادت اور تک  
فرق سے تیرے کر کے کسبِ ابدت اکلیل  
تیرا اندازِ سخن شانہ زلفِ اسام  
تیری رفتارِ سلمِ جنبشِ بالِ حبسِ میل  
تیرے عالم پہ نگہِ رابطہ مستربِ کلیم  
تجھ سے دنیا میں بچھا امدہ بندِ نسیں  
یہ سخن اور دو مرتبہ معنی و لفظ  
مگر دم داغ نہ ناصیہ قلمِ زم نویں  
تیرے وقت میں پیش و طرب کی تو نیر  
تیرے عہد میں ہونچ و الم کی تقلیل  
ماہ نے چھوڑ دیا نور سے جانا باہر  
زہر ہونے ترک کیا حوت سے کرنا تحویر  
تیری دانش مری اصلاحِ مفاسد کی رہین  
تیری بخشش مری انجانِ مفاسد کی کفیل  
تیرا اقبالِ ترحم مے جینے کی نوید !  
تیرا اندازِ تعامل مے مرنے کی دلیل  
بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ بکھو لاس  
چہرے کج باز نے تاک کر کہ نہ بکھو ذلیل  
پچھے ڈالی ہے سہر شدہ اوقات میں گانٹھ  
پہلے ٹھونکی ہے بُنِ آخرِ تیر میر کیس  
تیشِ دل نہیں ہے رابطہ خوفِ عظیم  
کشتیشِ دم نہیں ہے مخاطبِ جرِ ثقیل

۱۱۹  
 درستی سے مراد صفحہ نقاک و اڑھی غم گیتی سے مرا سینہ عمر کی زمیں  
 فکر میری گہرا ندو ز اشارات کثیر ملک میری رستم آموز عبارات قلیل  
 میرے اہام پہ ہوئی ہے تصدیق توضیح میرے اجمال سے کرتی ہے تراش تفصیل  
 ملک ہوئی مری حالت تو نہ دیا تکلیف مجھ ہوئی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

قبل کون و مکان خستہ نوازی میں یہ دیر

کبتہ اسن و اماں عقدہ کشائی میں یہ ذہیل

ہے جو صاحب کے کفن دست پہ چینی ٹلی زیب و تیا ہے جس قدر اچھا کہتے  
 غامدہ انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھے ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہتے  
 ہیرہ مکتوب عزیزان گرامی لکھے حربہ بازوئے شکرستان خود آرا کہتے  
 سی آلود سر انگشت حیدناں لکھے داغ طرف جگر عاشق شیدا کہتے  
 غاتم دست سیماں کے مشابہ لکھے سر پرستان پر ہی زادے انا کہتے  
 اختر سو خستہ قبس سے نسبت دیجے غالب شکنیں رنج و دکھش لیا کہتے  
 حجر الاسود و دیوار سرم کیجے منہن اذ آہوئے بیابان فتن کا کہتے  
 دھن میں اسکو اگر کھجے قاب تریاق رنگ میں سبزہ فوخیز میما کہتے  
 موی میں اسے ٹھہرایے گر ہر مناز یکدے میں اسے خستہ خم صبا کہتے

کیوں اُسے قتل در گنجِ محبت لکھے <sup>۱۳۰</sup> کیوں اُسے نقطہ پر کار بستنا کہتے  
 کیوں اُسے گوبرِ نایاب تصور کیجے کیوں اُسے مردِ مک دہ کا عطا کہتے  
 کیوں اُسے محکمہ پیرا بن لکھتے کیوں اُسے نقشِ پئے اقامتِ سلا کہتے  
 بندہ پرور کے کھنکھ دست کو دل کیے مژن

اور اس جہنی سپاری کو سویدہ کہتے

خوش ہوئے محبت کہ ہے آج تھے سرسرا بانہ ہشتاد ہے جوانِ محبت کے سر پر سہرا  
 کیا ہی اس چاند نے کھڑے پہ بھلا لگتا ہے ہے تھے جن دل افروز کا زیور سہرا  
 سر پہ چڑھنا تجھے چہ بتا ہے پرلے طرفِ بکلاہ بھکوڑ ہے کہ چھینے ترنسب سہرا  
 نادر بھر کر ہی پروتے گئے ہوئے موتی ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا  
 سات دریا کے فراہم کئے ہوئے موتی تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا  
 منجھ پھول کا جو گرمی سے پسینہ پڑکا ہے گب ابر گنبار سراسر سہرا  
 یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبائے بڑھاتے رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا  
 جی میں لائیں نہ موتی کہ میں ہیں اک چیز چاہئے پھولوں کا بھی ایک منکر سہرا  
 جبکہ اپنے میں ہاویں نہ خوشی کے اسے گو نہ سے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیڑا سہرا  
 منجھ روشن کی دھمک گوبرِ غلطاں کی چمک کیوں نہ دکھلائے فروغِ سہ و اختر سہرا

تاریخیم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار<sup>۱۳</sup> لایگا تاب گرانباری گو ہر سہارا؟

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

دیکھیں اس سرے سے کہہ کوئی نہ جھک رہا

منظور ہے گزارش احوال دوستی اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

سو پُشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

آزار دو ہوں اور اس ملک ہے صلح ٹل ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ نظر کا غلام ہوں؟ ہاں کہ جاہ و منصب ثروت نہیں مجھے

استادش سے ہو مجھے پر خاش کا خیال یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

جام جہاں نما ہے شہنشاہ کا ہم سیر ہو گندہ اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

میں کون اور پختہ ہاں اس سے نہ ما جزا مباحظ خاطر حضرت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا زہرہ امتثال امر! دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے

مقطع میں آپڑی ہے سخن گستر اندبات مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو دوسیا سودا نہیں جنوں نہیں دشت نہیں مجھے

قسمت بڑی سہی پہ طبیعت بڑی نہیں ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی مادت نہیں مجھے

۱۷ اے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہاں دار ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گوشت بشارت  
جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہ آہو تو وارے اُس عقدہ کو سو بھی بہ اشارت  
ملن ہے کہ خضر سکندر سے ترا ذکر گلاب کو نہ دے چشمہ جواں سے طہارت  
آصف کو یلیماں کی وزارت سے شرف تھا ہے فخر یلیماں جو کہ تیری وزارت  
ہے نقش مریدی ترا منہ راں الہی ہے داغ عنایم ترا قلع امارت  
تا تو آب سے گلاب کرے طاقت یلاں تو آگ سے گردن کرے تاب بشارت  
ذخندے نہ ملے موجہ دو یا میں روانی باقی نہ رہے آتش سوزاں میں حرارت  
ہے گرجہ مجھے محنت سرائی میں تو عمل ہے گرجہ مجھے سحر طرازی میں مهارت  
کیونکہ کون سا کو میں ختم دعا پر فاصرہ ہے تائش میں تری میری عبارت  
نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ نئے ہیں نظارگی صنعت حق اہل بشارت  
تجھ کو شرف ہر جہاں تاب مبارک!

غالب کو ترے عتبہ عالی کی زیارت

اے شہنشاہ آسماں اور نگ اے جہاندار آفتاب آفتاب!  
تھاپیں اک بے نوائے گوشہ نشین تھاپیں اک درد مند سیدہ نگار  
تم نے مجھ کو جو آبر و بخشش ہوئی میری وہ گرمی بازار

کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز : رشتہ اس ثوابت و استیوار  
 گرچہ از دروئے تنگ بے بُہری : ہوں خود اپنی نظر میں آنا خواہ  
 کہ گراپنے کو میں کہوں حن کی : جانتا ہوں کہ آئے خاک کو ہمار  
 شاد ہوں لیکن اپنے ہی میں کہوں : بادِ شہ کا غلام کار گزار  
 خانہ زاد اور مرید اور مداح : تھا ہمیشہ سے یہ رضیہ نگار  
 بے نوکر بھی ہو گیا صد شکر : نسبتیں ہو گئیں مشخص چار  
 نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں : مدعا سے مندروری الاطوار  
 پیر و مرشد! اگرچہ مجھ کو نہیں : ذوق آرائش سر و دستار  
 کچھ تو جاڑے میں چاہئے آخر! : تانہ دے بادِ زمسیر آوار  
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش : جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار  
 کچھ خریدائیں ہے ایک سال : کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار  
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ : بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار  
 آگ تاپے کہاں تلک انسان : دھوپ کھا دے کہاں تلک جاندار  
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی : وقتِ تربتِ عذاب الشار  
 میری تنخواہ جو مستتر ہے : اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنزار

۱۳۴  
 رسم ہے مڑوہ کی چھ ماہی ایک      غلق کا ہے اسی چپلن پہ سدا  
 جھکودیکھو تو ہوں بقید حیات      اور چھ ماہی ہو سال میں دوبار  
 بسک لیتا ہوں ہر مینے تہ جن      اور رہتی ہے سود کی تکرار  
 میری تنخواہ میں چسارم کا      ہو گیا ہے شریک سا ہو کار  
 آج مجھ سانیں زمانے میں      شاعر بن کر گوے خوش گھنار  
 رزم کی داستان گر سننے      ہے زباں میری تیغ جو ہر وار  
 بزم کا التزام گر کیجے      ہے قلم میرا ابر کوہ بار  
 ظلم ہے گرنہ دوجن کی داد      قس ہے گر کرو نہ جھکوپیار  
 آپ کا بندہ اور پھر دن جنگا      آپ کا ذکر اور کھاؤں ادھار  
 میری تنخواہ کیجے ساہ بہ ماہ      آنہ ہو مجھ کو زندگی دشوار  
 ختم کرتا ہوں اب دعا پر کلام      شاعری سے نہیں مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

ضرورت الٹا کہ بہا در مجھے بتلا کہ مجھے      تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے  
 گرچہ تو وہ ہے کہ جنگامہ اگر گرم کرے      ردفن بزم سے دھرتی ذات سے ہے



اور میں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی غور کروں<sup>۱۳۵</sup> غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے  
 خستگی کا ہو بھلا میں کے سبب سے سر پڑتا نسبت اک گونہ مرے دل کو تری بات سے ہے  
 اچھ میں تیرے سے تو بن دولت کی عنان یہ دعا شام و سحر تاضی حاجات سے ہے  
 تو سکندر ہے مرا محنت ہے ملت تیرا گو شرف خضر کی بھی مجھ کو اوقات سے ہے  
 اُس پہ گزے نگماں ریو دریا کا زنما

غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے  
 ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چپکوا رکھ دیں چین میں بھر کے سے مشکبوی کی مانند  
 جو آئے جام بھر کے پئے اور ہو کے گسست سبزے کو روز تاج پھرے پھو کو کو بجائے پھانہ  
 غالب یہ کیا بیاں ہے مجھ میں بادشاہ  
 بھائی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشتہ خواند

یوں سمجھئے کہ بچ سے خالی کئے ہوئے لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند  
 گلکٹ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین! اک تیر میرے سینہ پہ مارا کہ اے اے  
 وہ سبزہ زار اے سطر اک ہے غضب وہ ناز میں ثبت ان خود آرا کہ اے اے  
 صبر آزمادہ اُن کی نگاہیں کہ حجت نظر طاقت رُبا وہ اُن کا اشار کہ اے اے  
 وہ میوہ اے تازہ و شیریں کہ واہ واہ وہ بادہ اے ناب گوارا کہ اے اے

گئے وہ دن کہ نادانہ غیر و فکی وفاداری <sup>۱۳۶</sup> کیا کرتے تھے تم تقریم خاموش ہے تھے

بس اب بچے پکیا نثر زندگی جانے دو مجھ کو

قسم لو ہے گریہ بھی کیس کیوں ہم نہ کہتے تھے

نہ پوچھو اُس کی حقیقت حضور والانے مجھے جو بھیجی ہے یسین کی روغنی روٹی

نہ کھاتے گیوں نہ کھتے نہ غلہ سے باہر

جو کھاتے حضرت آدم یہ یسین روٹی

افطار صوم کی کچھ اگر دست گاہ ہو اُس شخص کو ضرور ہے روزہ کھا کرے

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو

روزہ اگر نہ کھائے تو بیچارہ کیا کرے

ٹھیکسیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے جہاں ہی کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے

ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے

کہ جو شریک ہو میرا شر کا غالب ہے

سہل تھا سہل لے یہ سخت مشکل آپری مجھ پر کیا گزرس گی اتنے روز حاضرین ہے

تین دن سہل سے پنتین دن سہل کے بعد

تین سہل تین تیرہ دیں یہ سب دن ہوئے

۱۳۶  
مختہ انجمن طوبیہ میرزا جعفرؒ کہ جس کے دیکھے سے سبکا ہوا ہے جی مخطوطا

ہوئی ہے ایسے ہی فرزندہ سال میں غالب

نہ کہیں ہو مادہ سال عیسوی مخطوطا

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی ہو ا بزم طرب میں قہر ناہید

کما غالب سے تاریخ اکی کیا ہے تو بولا انشراح جشن حبشیہ

گو ایک بادشاہ کے سرفراز زاد ہیں دربار دار لوگ ہم آشنا نہیں

کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کتے مجھے سلاہ اس سے ہے یہ مرا در ہم آشنا نہیں

بسکہ فتال مایہ دید ہے آج ہر کشور انکسار کا

گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا

چوک جس کو کہیں وہ قتل ہے گھر بت ہے نو نہ زنداں کا

شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک نشہ خوں ہے ہر سماں کا

کوئی واں سے نہ آ سکے یاں تک آدمی واں یہ بکے یاں کا

میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا وہی روناق و دل و جاں کا

گاہ جیل کر کیا گئے شکوہ سوزش داغ سائے پنہاں کا

گاہ رو کر کھسکے باہم ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا

۱۳۰  
اس طرح کے وصال سے یارب  
کیا مٹے دل سے داغ ہجران کا

ہاں دل درد مند ز مزمہ ساز	کیوں نہ کھولے درخیز نہ راز
خامہ کا صدف پر رواں ہونا	شاخ گل کا ہے گلستاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھنے	نکتہ اسے حسد و فزا لکھنے
بائے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے	خامہ غنخل رطب فشاں ہو جائے
آم کا کون مرد میدان ہے	ثمر و شاخ گوے و چوگاں ہے
تاک کے جی میں کیوں ہے اراں	آئے یہ گوئے اور یہ میدان
آم کے آگے پیش جاوے خاک	پھوڑا ہے جلے پھولے تاک
نہ چلا جب کسی طرح مستور	بادۂ تاب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے	شرم سے پانی پانی ہونا ہے
مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے	آم کے آگے نیش کر کیا ہے
نیش گل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار	جب خزاں آئے تب ہوئی بہار
اور دوڑا ئیے قیاس کساں	جان شیریں میں یہ منہاس کہاں
جان میں ہوتی گرتے شیرینی	کوہ کن باد جو دنگلیں

جان دینے میں اُس کو کھینتا جان  
 پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان  
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ مگر  
 کہ دو احسانہ ازل میں مگر  
 آتش گل پتہ کد کا ہے تو ام  
 شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام  
 یا یہ ہو گا کہ نہ رطراحت سے  
 باغبانوں نے باغِ جنت سے  
 انگلیں کے بگم رب الناس  
 بھر کے بھیجے ہیں سر مہر گلاس  
 یا لگا کر خضر نے شاخ نبات  
 مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات  
 تب ہوا ہے تر نشاںِ غنجل  
 ہم کہاں در نہ اور کہاں غنجل  
 تھا ترنجِ ذرا یک خضر و پاس  
 رنگ کا زرد پر کہاں بوباس  
 آتم کو دیکھت اگر یکبار  
 پھینک دیتا طلائے دست افشار  
 رونق کار گاؤں برگ و نوا  
 نازش دو دمانِ آب و ہوا  
 رہر و راہِ حسد کا تو شہ  
 طوبی و سد رہ کا جگر گوشہ  
 صاحبِ شاخ و برگ دیا ہے آم  
 ناز پر و روہ ہمار ہے آم  
 خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو  
 فخرِ غنجلِ باغِ سلطان ہو  
 وہ کہ ہے والی ولایتِ عہد  
 عدل سے اُسکے ہے حمایتِ عہد  
 فخرِ دینِ عز و شانِ جہا و جلال  
 زینتِ طینت و جمالِ کمال

۱۴۰  
 کار فرمائے دین و دولت و بہت چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت  
 سایہ اُس کا ہما کا سایہ ہے خلق پر وہ حسد کا سایہ ہے  
 اے مفیض وجود سایہ و نور جب تک ہے نور سایہ و نور  
 اس خداوند بندہ پرور کو وارث گنج و تخت و افسر کو  
 شاد و دلدادہ و دوست و دشاں بکھو

اور غالب پہ سداں بکھو

### قصیدہ

گنی ہیں سال کے رشتے میں بین بارگرہ ابھی حساب میں باقی ہیں سو ہزار گرہ  
 گرہ کی ہے یہی گنتی کہ تا بروز شمار ہوا کرے گی ہر اک سال پیش کا گرہ  
 یقین جان برس کا ٹھک جو ہے آگاہ یہ کمکشاں ہے کہ ہیں اس میں بے شمار گرہ  
 گرہ سے اور گرہ کی امید کیوں نہ پڑے کہ ہر گرہ کی گرہ میں ہیں تین چار گرہ  
 دکھا کے رشتہ کسی خوشی سے پوچھا تھا کہ دیکھ کتنی اٹھ لائے گا یہ تار گرہ  
 کہا کہ چرخ پہ پہنے گنی ہیں نو گرہیں جو باں گنیں گے تو پاویں گے نو ہزار گرہ  
 خود آسمان ہے ہمارا اور راجہ پر صدفے کر گچا سینکڑوں اس تار پر نشت ارگرہ  
 وہ راؤ راجہ بہادر کہ حکم سے جن کے رواں ہوتا رہے فی الفور دانہ دار گرہ

انہی کی سالگرہ کے لئے ہے سال ببال<sup>۱۴</sup> کہ لائے غیبے غنوں کی نوہا رگرہ  
 انہی کی سالگرہ کے لئے بناتا ہے ہوا میں بوند کو ابتر بگرگ بارگرہ  
 انہی کی سالگرہ کی یہ شادمانی ہے کہ ہو گئے ہیں گہراے شاہوارگرہ  
 انہی کی سالگرہ کے لئے ہے یہ توقیر کہ بن گئے ہیں مہراے شاہوارگرہ  
 اُن اے ندیم برس گانچ کے تیتلگے نے تجھے بتاؤں کہ کیوں کی ہے اختیارگرہ  
 پیے دعاے بقاے جناب فیض آب لگے گی اس میں ثوابت کی استوارگرہ  
 ہزار وادہ کی تسبیح چاہتا ہے ہی بلا مبالغہ درکار ہے ہزارگرہ  
 عطا کیا ہے خدا نے یہ جاذب اُس کو کہ چھوڑتا ہی نہیں رشتہ زینہارگرہ  
 کشادہ رخ نہ پھرے کیوں جب بن نائیں بچے نہ از سبب بندہ نعتاب یارگرہ  
 متابع عیش کا ہے قافلہ چلا آتا کہ جادہ رشتہ ہے اور ہے شتر قطارگرہ  
 خدا نے دی ہے وہ غالب کو دستگاہِ سخن کر ڈرو حوٰنڈھ کے لایا یہ جن کسارگرہ  
 کہاں مجالِ سخن سانس لے نہیں سکتا پڑی ہے دل میں مئے غم کی پیچ دارگرہ  
 گرہ کا نام لیا پر نہ کر سکا کچھ بات زباں تک آکے ہوئی اور استوارگرہ  
 کھلے یہ گانچ تو البتہ دم کل جانے بُری طرح سے ہوئی ہے گلے کا بارگرہ  
 ادھر نہ ہوگی توجہ حضور کی جب تک کبھی کسی سے کھلے گی نہ زینہارگرہ

و ما ہے یہ کہ مخالف کے دل میں از روغن <sup>۱۴۲</sup> پڑی ہے یہ جو بہت سخت نابکار گرہ

دل اُس کا پھوڑ کے نکلے شکل بھوٹے کے

قدار کے کہ کرے اس طرح ابھار گرہ

### قصیدہ

مرحبا سال سترخی آئیں عید شوال ماہ مند و دیں

شب و روز افتخار یل و نمار صد و سال اشرف شہور و نیں

گرچہ ہے بعد عید کے نوروز ایک بیش از سب ہفتہ بعد نیں

سو اس کیس دن میں ہو لی کی مجلسی با حبا ہو میں رنگیں

شہر میں کو بجو عسیر و گلال باغ میں سو ہونگل و نسیر

شہر کو یا نمونہ گلزار باغ گویا نکاح خانہ چیں

تین تہوار اور ایسے خوب جمع ہرگز ہوئے نہ ہونگے لگیں

پھر ہوئی ہے اسی مہینے میں منعقد محفل نشاط تیر

محفل غزل صحبت نواب رونق افزائے مسند و تکیں

بزمگاہ میں امیر شاہ نشاں بزمگاہ میں حریف شیر لگیں

پیشکار حضور شوکت و حباہ خیر خواہ و جناب دولت دیں



جن کی مسند کا آسمان گوشہ ۱۴۳  
 جن کے خاتم کا آفتاب نکلیں  
 جن کی دیوار قصر کے نیچے  
 آسمان ہے گدا سے سایہ نشیں  
 وہ ہیں اس طرح کی بزم سرور  
 نہ ہوئی ہو کبھی بروئے زمیں  
 انہیں چرخ گوہر آگین فرشتہ  
 نور سے ماہ ساعنبر سیس  
 راجہ اندر کا جو اکھاڑہ ہے  
 ہے وہ بالائے سطح چرخ بریں  
 وہ نظر کا وہ اہل وہم و خیال  
 یہ ضیاء بخش چشم اہل معیتیں  
 وہاں کہاں یہ عطا و بذل و کرم  
 کہ جہاں دا دگر کا نام نہیں  
 یاں زمیں پر نظر جہاں تک جاتے  
 ژالہ آسا بچھے ہیں دُورِ نشیں  
 نمنہ طربان زہرہ و زوا  
 حبلوہ بولبان ماہ جبین  
 اُس اکھاڑے میں جو کہ ہے ظنون  
 یاں وہ دیکھا بچشم صورت میں  
 سرور بہر فرہوا جو سوار  
 بکمال تجمل و تزئین  
 سب نے جانا کہ ہے پری توں  
 اور بال پری ہے دامن زمیں  
 نقشب مستم مسند سے یکسر  
 بن گیا دشت دامن گلچیں  
 فوج کی گردِ راہ مشک نشاں  
 رہروں کے مشام عطر آگین  
 بسکہ بخشی ہے فوج کو عزت  
 فوج کا ہر پیادہ ہے دریں

مرکب خاص یوں نہیں پختہ<sup>۴۴</sup> جس طرح ہے سپہر پر پردیں  
 چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام<sup>۴۵</sup> ران پر داغ تازہ دے کے دیں  
 اور داغ آپ کی عثمانی کا خاص بہرام کا ہے زیب سیریں  
 بندہ پرورش طرازی سے مدعا عرض فن شہ نہیں  
 آپ کی مدح اور سیرائے گرگوں بھی تو کس کو آئیے یقین  
 اور پھر اب کہ ضعف پیری سے ہو گیا ہوں نزار و زار و حزن  
 پیری نیستی خدا کی پناہ دست خالی چننا طرنگیں  
 صرت اظہار ہے ارادت کا ہے سلم کے جو سجدہ زحیریں  
 مدح گزرتیں دعا گو ہے غالب عا جز نیا ز گزین

ہے دعا بھی ہی کہ دنیا میں

تم رہو زندہ جادواں آئیں

### قصیدہ

کرتا ہے چرخ روز بصد گونا احترام فرمانروائے کشور پنجاب کو سلام  
 حق گوے دق پرست و حق پذیر حق شناس نواب مستطاب امیر شہ احتشام  
 جم رتبہ منگو ڈہسا در کہ وقت رزم ترک فلک کے ہاتھ سے دو چھین لیں ساء

بس بزم میں کہ ہوا نہیں آہنگ میکشی  
 چاہا تھا میں نے تم کو میرا چارہ کہوں  
 دورات میں تمام ہے ہنگامہ ماہ کا  
 سچ ہے تم آفتاب ہو جسکے فروغ سے  
 میری سنو! کہ آج تم اس سرزمین پر  
 اخبار لدھیانہ میں میری نظر پڑی  
 ٹکڑے ہوئے دیکھ کے تحریر کو جگر  
 وہ فرد جس میں نام ہے میرا غلط لکھا  
 سب صورتیں بدل گئیں ناگاہ یک قلم  
 ستر برس کی عمر میں یہ داغ جاں گدا  
 تھی جنوری مہینے کی تاریخ تیرھویں  
 اس بزم پر فروغ میں اس تیرہ بخت کو  
 سمجھا اُسے گرا آب ہو اپاش پاش دل  
 عزت پہ اہل نام کی ہستی کی تھی بنا  
 تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کمال پر  
 واں آسمان شیشہ بنے آفتاب جام  
 دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیال خام  
 حضرت کا عز و جاہ رہیگا علی الدوام  
 دریا سے نور ہے فلک اب گیس نہ فام  
 حق کے تفضلات سے ہو مرج انام  
 تحریر ایک جس سے ہوا بندہ تلخ کام  
 کاتب کی آستین ہے مگر تیغ کا نیام  
 جب یاد آگئی ہے کلیجہ لیا ہے تھام  
 نمبر زمانہ نذر نہ خلعت کا انتظام  
 جس نے جلا کے راکھ مجھے کر دیا تمام  
 استاد ہو گئے لب دریا پر جو نیام  
 نمبر ملا شیب میں از روئے اہتمام  
 دربار میں جو مجھ پہ چلی چٹناک عوام  
 عزت جہاں گئی تو نہ ہستی رہی نہ نام  
 اُس ناز کا فلک نے لیا مجھ سے انتقام

آیا تھا وقت ریل کے کھلنے کا بھی قریب تھا بارگاہ خاص میں خلقت کا اثر دام  
 اس شکش میں آپ کا مذاق درد مند آقا نے امور سے نہ کچھ کر سکا کلام  
 جو ذراں نہ کہہ سکا وہ لکھا ہے حضور کو دس آپ میری داد کہ ہوں فائز المرام  
 ناک و سپہ نہ ہو تو نہ ہو کچھ ضرر نہیں سلطان برد بھر کے در کا ہوں میں غلام  
 و کنوریہ کا دہریس جو مدح خوان ہو ثابان عرصہ چاہئے لیس عزت اُس دم  
 خود ہے تدارک اُس کا گوشت کو ضرر بے وجہ کیوں دلیل ہو غالب ہے حکام  
 امر صبیحہ کا نہیں ہے سوال اسے قدیم قاعدہ کا چاہئے قیام  
 ہے بندہ کو عادۂ عزت کی آرزو چاہیں اگر حضور تو شکل نہیں یہ کام  
 دستورِ فرین شعر نہیں ہے قدیم سے یعنی دعا کا مدح پہ کرتے ہیں اعتسام  
 ہے یہ دعا کہ زیرِ جبین آپ کے رہے

اقیم بندہ و سندھ سے تاملک روم و شام

## مباحثات

شکل ہے زبں کلام میرا اسے دل نمن نمن کے اُسے حسن و ان کمال  
 آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل

۱۳۴  
 دل رک کہ بند ہو گیا ہے غالب  
 دیکھ جی کے بند ہو گیا ہے غالب  
 سونا سو گند ہو گیا ہے غالب  
 واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں!

یہ بھی ہے جو بھکشاؤ شاہ جہاں نے وال  
 ہے لطف و عنایات شہنشاہ پر وال  
 یہ شاہ پسند وال بے بحث و جدال  
 ہے دولت دین و دانش و داد کی وال

اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ ہوا  
 اُتے ہی برس شمار ہوں بلکہ ہوا  
 ہر سیکڑہ کو ایک برس فرمن کو ہوں  
 ایسی گرہیں ہزار ہوں بلکہ ہوا

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں  
 آرام کے اباب کہاں سے لاؤں  
 روزہ عمر ایمان ہے غالب لیکن  
 خس خانہ و برفِ آکھیاں سے لاؤں

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے  
 بھیجے ہیں جوار مغاں شبہ والائے  
 گن کر دیویں گے ہم دعائیں توبہ  
 فیر و ذہ کی تسبیح کے ہیں تودائے  
 حزن جری عجب تسنیم امر دہوی

ریسبل آرٹ پریس فرخ خانہ دہلی



GHALIB COLLECTION

ALL No. { ۸۹۱۵ ۳۱ } ACC. NO. ۵۱۳۸۷  
AUTHOR غالب، میرزا اسد اللہ خان  
TITLE دیوان غالب، میرزا اسد اللہ خان

SECTION

THE BOOK MUST BE CHECKED AT THE TIME  
OF ISSUE



MAULANA AZAD LIBRARY  
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES :-

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of **Re. 1-00** per volume per day shall be charged for text-book and **10 Paise** per volume per day for general books kept over-due.

